قارئین کو اسلامی سالِ نو ۱۴۳۰ھ مبارک

ماہنامہ
نقیبِ ختمِ نبوّت
ملتان

۱ محرم الحرام ۱۴۳۰ھ ----- جنوری ۲۰۰۹ء

بیادِ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ

سبطِ نبی ، ابنِ علی ، سید حُسین
بنتِ علی جس پہ نہیں کرتی تھیں بین

وہ شہید ابنِ شہید آقا حُسین
ہر بہادر اور جری کے نورِ عین

مولا عمر ، سید غنی ، حضرت حسین
یہ ولی اللہ ہیں ملت کا چین

ان سے زندہ ہیں خلافت کے اصول
ان سے روشن تا ابد امت کی رین*

اے امامِ عدل و احساں ، حریت کے پاسباں
بانجھ دھرتی پہ کرم ہو، خشک ہوں میرے بھی نین

★★★

سیّد عطاء المحسن بخاریؒ
(یکم محرم ۱۴۰۴ھ - دارِ بنی ہاشم ملتان)

* رات

نورِ ہدایت

ارشادِ گرامی سیدنا حسین رضی اللہ عنہ

ذلت کی زندگی سے عزت کی موت بہتر ہے

★ ابن زیاد کے ہاتھ پر یزید کی بیعت؟ تو خدا کی قسم! یہ بات میری موت کے بعد ہی ممکن ہے۔ ہاں ! اگر باعزت طریقہ سے معاملہ فہمی مقصود ہے تو پھر مدینہ کو واپسی یا سرحد پر چلے جانے کے علاوہ تیسری صورت یہ ہے۔

★ مجھے یزید کے پاس جانے دو' تا کہ میں اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دوں۔ پھر وہ میرے متعلق جو مناسب سمجھے گا خود فیصلہ کرے گا۔ (البدایہ لابن کثیر ج ۸، ص ۷۰)

......اور یا میں اپنا ہاتھ یزید بن معاویہؓ کے ہاتھ میں دے دوں تو وہ میرے اور اپنے بارے میں جو مناسب ہو، رائے قائم کرے گا۔ (تاریخ الامم والملوک۔ للطبری ج ۶' ص ۲۳۵)

★ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سے پختہ روایت ہے۔ آپ نے کمانڈر کوفہ عمرو بن سعد رضی اللہ عنہ سے فرمایا: میری تین باتوں میں سے ایک پسند کرلو:

(۱) یا میں اس جگہ لوٹ جاتا ہوں جہاں سے آیا ہوں

(۲) یا یہ کہ میں اپنا ہاتھ یزید کے ہاتھ پر رکھ دوں جبکہ وہ میرے چچا کا بیٹا ہے تو وہ میرے متعلق اپنی رائے خود قائم کرے گا۔

(۳) یا پھر مجھے مسلمانوں کی سرحدات میں سے کسی سرحد کی طرف روانہ کر دو تو میں وہیں کا باشندہ بن جاؤں گا۔ پھر جو نفع اور آرام وہاں کے لوگوں کو حاصل ہوگا، وہی مجھے بھی مل جائے گا اور جو نقصان اور تکلیف وہاں کے لوگوں کو ہوگی وہی مجھے پہنچے گی۔

(بحوالہ: الشافی مع التلخیص ص ۴۷۱ طبع ایران۔ تصنیف السید ابی القاسم علی بن الحسین بن موسیٰ بن محمد بن موسیٰ بن ابراہیم بن موسیٰ بن جعفر الصادق بن محمد الباقر بن زین العابدین علی الاوسط بن السبط سیدنا الحسین بن سیدنا علی بن ابی طالب علیہم الرضوان)

★ اے کاش! یہ شرائط نامہ طے ہو جاتا تو امت کو مظلومِ حسین رضی اللہ عنہ کا روزِ غم دیکھنا نصیب نہ ہوتا اور نہ ہی...... یزید کے لیے سبّ و شتم اور لعن و طعن کا دروازہ کھلتا۔ بہرحال جناب سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا قول و عمل ہمارے لیے ایک دائمی درسِ عبرت و غیرت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں شہیدِ کربلا رضی اللہ عنہ کی سچی پیروی نصیب فرمائیں۔ آمین!

ماہنامہ
نقیبِ ختمِ نبوت ملتان

بیاد: سید الاحرار حضرت امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ
بانی: ابنِ امیرِ شریعت سید عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ

جلد 20 شمارہ 1 محرم الحرام 1430ھ / جنوری 2009ء

Regd.M.NO.32, I.S.S.N.1811-5411

تشکیل

دل کی بات:	مسلم کشی کے آئندہ پچیس سال	ذوالکفل بخاری	2
شاعری:	حیات آفریں شہادت	اسعد ملتانی	3
شذرہ:	تحریکِ ختمِ نبوت کی تازہ ترین صورتحال	عبداللطیف خالد چیمہ	4
دین و دانش:	اذان کے بعد چند مسنون اعمال	ذوالکفل بخاری	6
افکار:	امریکہ چیلنجز کے نرغے میں	سید یونس الحسنی	8
״	لالے بڑے چالاک لالے	عبدالمنان معاویہ	10
״	قومی زبان اور طبقاتی تعلیمی نظام	محمد جاوید اختر	12
״	توہینِ رسالت کی ناپاک جسارت	عبدالقدوس محمدی	16
״	وقتِ قیام آ گیا ہے	خواجہ غلام ربانی مجال	19
شاعری:	افضل ہے، مکرّم ہے یہ جوتا ترا زیدی	شیخ حبیب الرحمٰن بٹالوی	20
تاریخ و تحقیق:	شہادت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ	سید ابوذر بخاریؒ	21
״	سیدنا حسین ابن علی سلام اللہ علیہم	سید عطاء المحسن بخاریؒ	25
للافتاء:	یزید پر لعنت کا مسئلہ۔ علماء احناف و دیو بند کی نظر میں علامہ عبدالعزیز فرہارویؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا سید حسین احمد مدنیؒ مولانا مفتی عاشق الٰہی بلند شہریؒ، مولانا مفتی محمد تقی عثمانی		29
״	اپنی ذمہ داریوں کا احساس (مولانا اشرف علی تھانوی کی نظر میں)	ابن الحسن عباسی	32
״	یزید اور مسلک اہل سنت والجماعت (خیر الفتاویٰ کی روشنی میں) آیت الخیر حضرت مولانا خیر محمد جالندھری حضرت مفتی محمد عبدالستارؒ، حضرت مفتی محمد عبداللہ ملتانی شہیدِ ختمِ نبوت حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ		34
شخصیت:	علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ اور قادیانیت (دوسری قسط)	پروفیسر خالد شبیر احمد	37
״	بیگم چودھری افضل حق" سے شرفِ ملاقات	ڈاکٹر زاہد منیر عامر	44
ردّ قادیانیت:	بھٹو، شورش کاشمیری اور تحریکِ ختمِ نبوت	عبداللطیف ابوشامل	50
״	ایم کیو ایم ...... اور اسرائیلی فوج میں قادیانی	ڈاکٹر شاہد قریشی	53
یادِ رفتگاں:	لالہ ظفر ...... ایک خوش گفتار دوست	شیخ حبیب الرحمٰن بٹالوی	57
حسنِ انتقاد:	تبصرۂ کتب	محمد الیاس میراں پوری	60
اخبار الاحرار:	مجلس احرار اسلام کی سرگرمیاں	ادارہ	61

majlisahrar@hotmail.com
majlisahrar@yahoo.com
www.mahrar.com

تحریکِ تحفظِ ختمِ نبوۃ شعبۂ تبلیغ مجلسِ احرارِ اسلام پاکستان

مقامِ اشاعت: دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان ناشر: سید محمد کفیل بخاری طابع: تشکیل نو پرنٹرز

Dar-e-Bani Hashim, Mehrban Colony, Multan.(Pakistan)

زیرِ سرپرستی
حضرت مولانا خواجہ خان محمد مدظلہ

ابنِ امیرِ شریعت حضرت پیر جی
سید عطاء المہیمن بخاری

مدیر مسئول
سید محمد کفیل بخاری

رفقائے فکر
پروفیسر خالد شبیر احمد
عبداللطیف خالد چیمہ، سید یونس الحسنی
مولانا محمد مغیرہ، محمد عمر فاروق

آرٹ ایڈیٹر
محمد الیاس میراں پوری
Ilyas_miranpuri@yahoo.com
Ilyasmiranpuri@gmail.com

سرکولیشن منیجر
محمد یوسف شاد

زرِ تعاون سالانہ
اندرونِ ملک ———— -/200 روپے
بیرونِ ملک ———— -/1500 روپے
فی شمارہ ———— -/20 روپے

ترسیلِ زر بنام: ماہنامہ نقیبِ ختمِ نبوت
بذریعہ آن لائن اکاؤنٹ نمبر: 1-5278-100
بینک کوڈ 0278 یو بی ایل چوک مہربان ملتان

رابطہ: دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان
☎061-4511961

دل کی بات

مسلم کُشی کے آئندہ پچیس سال

ہر نئے دن کے ساتھ بدلتی ہوئی ایک ایسی دنیا میں جس کے امن وانتظام کا ”ٹھیکیدار“ امریکہ ہے، مسلمانوں کے لیے کوئی اچھی خبر تلاش کرنا یا اس کی توقع بھی کرنا عبث اور بے کارسی بات معلوم ہوتی ہے، لیکن ۱۴ردسمبر (۲۰۰۸ء) کو ایک عراقی صحافی کی پاپوش باری، جفت اندازی اور بوٹ زنی نے مشرق سے مغرب تک پھیلے ہوئے اضمحلال وانفعال کی لہروں میں یکا یک ایک تلاطم اور تموّج ضرور پیدا کیا ہے۔ ”بش...... مسلم کش“ کے ”اعزاز“ میں ترک ساختہ اور عراق پرداختہ جوتوں کی اس یادگار اور تاریخی سلامی نے ذہنی غلامی اور فکری پسپائی کی زنجیروں سے مسلمانوں کی رہائی کا ایک تازہ عنوان اور ایک قوی امکان یک لخت نمایاں کر دیا ہے۔ زنجیریں جو مرعوبیت و مایوسی، یاس وہراس اور خوف وہراس کے حلقہ درحلقہ ربط وتسلسل سے وجود میں لائی جاتی ہیں۔

مارچ ۲۰۰۳ء میں عراق پر امریکی حملے اور قبضے کو آج چھے سال ہونے کو آتے ہیں۔ امریکی وزیر دفاع رابرٹ گیٹس نے حال ہی میں عراق میں موجود ایک لاکھ چھیالیس ہزار امریکی فوجیوں کو چتاونی (یا۔ خوش خبری) دے دی ہے کہ اب ہمارا دمِ واپسیں ہے۔ اقوامِ متحدہ کا وہ نام نہاد مینڈیٹ جو ظالم کو مظلوم پر اور جارح کو مجروح پر چڑھ دوڑنے کا ”حق سفا کی“ عطا فرماتا ہے، اپنی میعاد پوری کر چکا ہے۔ اب عراق بھر میں پھیلے ہوئے، چار سو سے زائد فوجی اڈوں میں براجمان ”امن وسلامتی“ کے یہ آدم خور اور خوں خوار امریکی ”سفیر“ ۳۰رجون ۲۰۱۱ء تک، عراقی حکومت کی براہ راست مہمانی اور ماتحتی میں برسرکار رہیں گے۔ برسرکار نہیں، برسرپیکار۔ اور پھر اس کے بعد؟ اعلانات تو کہتے ہیں کہ ”مکمل واپسی“ ہو جائے گی لیکن...... ”زباں کچھ اور، بوئے پیرہن کچھ اور کہتی ہے“۔ عراق میں امریکی فوج کے اعلیٰ ترین کمانڈر جنرل ریمنڈ آڈیرنو نے یہ واضح کر دیا ہے کہ ۲۰۱۱ء کے بعد بھی عراق میں امریکی فوج اپنا قیام وطعام جاری رکھے گی۔ ”جمہوری عراق“ کی تائید وحمایت اور تربیت وتدریب کی خاطر۔ یعنی...... کون سی واپسی، کہاں سے واپسی اور کدھر کو واپسی؟

ادھر امریکی جوائنٹ فورسز کمانڈ کی ایک تازہ ترین رپورٹ میں یہ بات بصراحت بتلائی گئی ہے کہ پورے عالم اسلام میں سے امریکہ مخالف مزاحمت (Insurgency) کو جڑ سے اکھاڑنے کے لیے آئندہ پچیس سالہ مدت طے کر لی گئی ہے۔ گویا آنے والے اڑھائی عشروں پر مشتمل ربع صدی کی یہ مدت بارِ دگر، امریکہ کو ان گنت سنہری وروپہلی مواقع فراہم کرے گی کہ وہ بہیمیت اور وحشت و درندگی کے اپنے ہی قائم کردہ ریکارڈز کو توڑ کر نئے ریکارڈز قائم کرے۔ اس رپورٹ کا ایک فوری مطلب، صاف صاف یہ بھی نکلتا ہے کہ افغانستان کے محاذ پر طاقت کا مرکوز اور اندھا استعمال بڑھنے کو ہے۔ عراق پر چھے سالہ تسلط وتشدد کا حاصل...... الوداعی پاپوش کاری۔ کبھی نہ ختم ہونے والی مزاحمت۔ روز افزوں نفرت۔ جبکہ افغانستان میں سات سالہ غارت گری اور غنڈہ راج کا حاصل یہ ہے کہ آج بھی کابل سے باہر نکلتے ہی اتحادی افواج کے قبضہ وغصب کی ”رِٹ“ (Writ) یوں غائب ہو جاتی ہے جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔

عراق اور افغانستان میں ترتیب پاتے ہوئے امریکی خفت اور ہزیمت کے یہ مناظر ”تقاضا“ کرتے ہیں کہ پاکستان اور بھارت کو باہم الجھایا اور پھنسایا جائے اور امریکی ناکامیوں کا سارے کا سارا ”ملبہ“ پاکستان پر ڈال دیا جائے۔ اس قوالی میں حامد کرزئی کے بعد من موہن سنگھ کی شکل میں ایک نئے ہم نوا کا اضافہ ہو گیا ہے۔ پاکستان کی مغربی سرحد کے ساتھ ساتھ جاری ”ڈومور“ کے رقصِ ابلیس پر تازہ اضافہ مشرقی سرحد کے اس پار ممبئی دھماکوں کی ٹھمری ہے جو راگ اجمل قصاب میں مسلسل گائی جا رہی ہے۔

وہ جو خود فریبی میں مبتلا رہے ہیں بلکہ بش فریبی میں، انھیں خبر ہو کہ آئندہ پچیس سال کا بھیانک منظر...... نیم باز آنکھوں سے نہیں (جن میں ساری مستی شراب کی سی ہے) بلکہ کھلی آنکھوں سے دیکھیں۔ اور وہ بھی جو ”کھلی آنکھیں ہیں لیکن سو رہے ہیں“ کا مصداق بنے ہوئے ہیں۔ تہذیبوں کا تصادم ایک حقیقت ہے۔ ہنٹنگٹن پر تو ۱۹۹۳ء میں یہ الہام اترا اور اس کے بعد دنیا بھر کے جارج واکر بشوں اور پرویز مشرفوں پر۔ مسلمانوں کو یہ خبر چودہ سو انتیس سال پہلے قرآن کی زبانی مل چکی ہے۔

حیات آفریں شہادت

اسد ملتانی

اہلِ دل قربانیٔ شبیرؓ کا غم کیوں کریں
زندۂ جاوید ہوجانے کا ماتم کیوں کریں

دے کر اُس مردانہ قربانی کو مظلومی کا رنگ
ہم شہیدِ کربلا کی شان کو کم کیوں کریں

سر کٹایا کس سکون و صبر سے شبیرؓ نے
رو کر اُس جمعیتِ خاطر کو برہم کیوں کریں

زندگی کا جزو ہونی چاہیے یادِ حسینؓ
ہم اُسے محدودِ ایّامِ مُحرّم کیوں کریں

جب ظفر مندی شہیدوں ہی کے حصے میں رہی
دل کو پُرغم کیوں کریں آنکھوں کو پُرنم کیوں کریں

ہم مناقب ہی سنائیں گے مصائب کے بجائے
داستانِ فتح کو افسانۂ غم کیوں کریں

آنسوؤں سے اوس پڑ جاتی ہے دل کے جوش پر
زخمِ دردانگیز کو مرہونِ مرہم کیوں کریں

سرفروشی اور جاں بازی کا میداں چھوڑ کر
گریہ وزاری کے گوشے کی طرف رَم کیوں کریں

زندگی کا درس دیتا ہے ہمیں خونِ حسینؓ
موت کا سامان رو رو کر فراہم کیوں کریں

گُلبنِ باغِ شہادت جن کو بننا چاہیے
وہ جوانانِ چمن تقلیدِ شبنم کیوں کریں

آؤ اس سے دورِ گیتی کا بدل ڈالیں نظام
روحِ ایثار وعمل کو نذرِ ماتم کیوں کریں

[روزنامہ ''زمیندار'' لاہور، ص۲/ ۷رمحرم الحرام ۱۳۵۳ھ۔۲۲راپریل ۱۹۳۴ء]

تحریک ختم نبوت کی تازہ ترین صورت حال

عبداللطیف خالد چیمہ (سیکرٹری جنرل مجلس احرار اسلام پاکستان)

محدث العصر حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے فتنہ ارتداد مرزائیہ کی تباہ کاریوں کو بھانپتے ہوئے سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا انتخاب فرمایا اور عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ کے لیے انھیں ”امیر شریعت“ نامزد فرما کر خود شعوری طور پر ان کی پشت پر کھڑے ہو گئے اور ہندوستان میں اس کام کو منظّم بنیادوں پر استوار کرنے والی جماعت مجلس احرار اسلام کی مکمل سرپرستی فرمائی۔ پاکستان بن جانے کے بعد جب آنجہانی مرزا بشیر الدین محمود نے بلوچستان کو ”احمدی صوبہ“ بنانے کی بات کی اور موسیو ظفر اللہ خان نے وزیر خارجہ کی حیثیت سے کراچی کے ایک جلسہ عام میں احمدیت کو زندہ اور اور اسلام کو مردہ مذہب قرار دیا تو حضرت امیر شریعت مرحوم نے بریلوی مکتبِ فکر کے جید عالم دین حضرت مولانا ابوالحسنات قادری رحمۃ اللہ علیہ کی صدارت میں ”کل جماعتی مجلس عمل تحفظ ختم نبوت“ کے پلیٹ فارم پر تمام مکاتبِ فکر کو یکجا کیا اور مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دلوانے کے لیے تحریک چلائی تو مسلم لیگی حکمرانوں نے دس ہزار فرزندانِ توحید کو جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے منصبِ رسالت و ختم نبوت کے تحفظ کے آئینی و قانونی حق مانگنے کی پاداش میں خون سے لت پت کر دیا۔ تحریک ختم نبوت کی پاداش میں احرار کو خلافِ قانون قرار دے دیا گیا لیکن تحریک اپنے منطقی انجام کی طرف بڑھتی رہی۔

۲۹ رمئی ۱۹۷۴ء کو ربوہ (چناب نگر) کے ریلوے اسٹیشن پر قادیانی درندوں نے نشتر میڈیکل کالج ملتان کے طلباء کی بوگی پر حملہ کیا جو تحریک ختم نبوت کے اگلے دور کا سبب بنی اور ۷ ر ستمبر ۱۹۷۴ء کو قوم نے حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت میں کامیابی حاصل کی۔ اس تحریک میں بھی تمام مکاتبِ فکر نے مثالی اتحاد کا مظاہرہ کیا۔ ۱۹۸۴ء میں صدر ضیاء الحق مرحوم کے دور میں تمام مکاتبِ فکر کے اتحاد کا نتیجہ یہ ہوا کہ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے امیر حضرت مولانا خواجہ خان محمد مدظلہ العالیٰ کی قیادت میں ۲۶ راپریل ۱۹۸۴ء کو امتناعِ قادیانیت آرڈیننس جاری ہوا اور مرزا طاہر خفیہ طور پر ملک چھوڑ کر لندن پناہ گزین ہو گیا۔ ۱۹۸۴ء کے بعد بھی تحریک ختم نبوت کے حوالے سے کئی نشیب و فراز آئے اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے پیش رفت ہوتی رہی۔ سابق صدر پرویز مشرف کے دور میں قادیانیوں کو ہر سطح پر نوازا گیا اور پس پردہ

قادیانی اور قادیانی نواز لابی کو پروان چڑھایا گیا۔۱۹۵۳ء کی طرح سرکاری وسائل کو قادیانیت کی ترویج کے لیے استعمال کیا گیا اور ایوانِ صدر اور ایوانِ اقتدار کی بالکونیوں پر نظر رکھنے والوں کو قادیانی آسانی سے نظر آنے لگے اور ایسے محسوس ہونے لگا کہ تحفظ ختم نبوت کے متعلق دستوری فیصلوں کو سبوتاژ کرنے کے لیے بعض مقتدر شخصیات پہلے سے زیادہ سرگرم ہوگئی ہیں۔

تا دمِ تحریر پرویز مشرف لندن میں اپنے قادیانی میزبان بریگیڈیئر (ر) نیاز کے ہاں مقیم ہیں اور شاید ملک کو مزید کمزور کرنے کے لیے وہاں کوئی نئی منصوبہ بندی ہورہی ہے۔ چند روز پیشتر مبینہ طور پر وفاقی وزیر اطلاعات اور وفاقی مشیر داخلہ نے صدرِ پاکستان کو مشورہ دیا ہے کہ لاہوری وقادیانی مرزائیوں والی قراردادِ اقلیت کو ختم کرنے کے لیے پارلیمنٹ میں قرارداد ''اب لے آنی چاہیے''۔ تاہم صدرِ پاکستان نے اس سے ''اتفاق'' نہیں کیا۔ ہماری اطلاعات کے مطابق بعض ذمہ دار حلقے اس کام کے لیے حد سے زیادہ سرگرم ہوچکے ہیں۔ ایسے میں قادیانی ریشہ دوانیوں کے سدباب کے لیے ''متحدہ تحریک ختم نبوت رابطہ کمیٹی'' کا قیام عمل میں آجانا ایک اچھی خبر ہے۔

گزشتہ دنوں (۲۷ر نومبر) کو لاہور میں مجلس احرار اسلام پاکستان کے دفتر میں پاکستان شریعت کونسل کے سیکرٹری جنرل مولانا زاہد الراشدی کی سرپرستی میں اور انٹرنیشنل ختم نبوت موومنٹ پاکستان کے صدر مولانا محمد الیاس چنیوٹی کی زیر صدارت متحدہ تحریک ختم نبوت کی مرکزی رابطہ کمیٹی کا اجلاس منعقد ہوا، جس میں تمام مکاتبِ فکر اور دینی جماعتوں کے نمائندوں کو شرکت کی دعوت دی گئی تھی۔ تحریک ختم نبوت کی تازہ ترین صورتحال کے حوالے سے رائے عامہ کو منظم اور بیدار کرنے کے لیے ابتدائی سطح کا پہلا ''تحریک ختم نبوت علماء کنونشن'' ان شاء اللہ تعالیٰ ۲۸ر دسمبر کو لاہور کے ہمدرد ہال میں منعقد کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے، جو صبح دس بجے سے لے کر ۲ بجے تک جاری رہے گا اور اس میں شرکت وخطاب کے لیے تمام مکاتبِ فکر اور دینی حلقوں کی نمائندگی یقینی بنانے کے لیے مولانا عبدالرؤف فاروقی کی سربراہی میں ایک گیارہ رکنی آرگنائزنگ کمیٹی قائم کردی گئی ہے جس کا ایک مشاورتی اجلاس ۶ر دسمبر کو دفتر احرار لاہور میں ہوچکا ہے۔ جبکہ رابطہ کمیٹی اور آرگنائزنگ کمیٹی کا ایک مشترکہ اجلاس ان شاء اللہ تعالیٰ ۲۵ر دسمبر کو جامع مسجد خضریٰ سمن آباد لاہور میں ہوگا۔ جس میں دیگر امور کے علاوہ کنونشن کا ایجنڈا بھی طے کیا جائے گا۔ اس موقع پر ہم دینی حلقوں کے ساتھ ساتھ محبِّ وطن سیاسی حلقوں سے بھی گزارش کریں گے کہ وہ مسئلہ ختم نبوت اور قادیانی سازشوں کے حوالے سے ''بادی النظر'' پر بھی نظر رکھیں اور سیاسی مصلحتوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اس اہم ایشو پر اپنا کردار ادا کریں کہ یہی امتِ مسلمہ کی مضبوط ترین قدرِ مشترک ہے۔

اللہ تعالیٰ اس جدوجہد کو کامیابی سے ہمکنار فرمائیں اور ہم سب کو اخلاصِ نیت سے کام کرنے کی توفیق سے نوازیں۔ آمین، یارب العالمین!

ترتیب و انتخاب: ذوالکفل بخاری

اذان کے بعد

چند مسنون و مقبول اعمال

[۱] اذان سننے والا وہی الفاظ دہرائے جو مؤذن کہہ رہا ہے۔ مگر حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃُ اور حَیَّ عَلَی الْفَلَاحُ کے وقت لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّ ۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمُ کہے۔ چونکہ کلماتِ اذان ذکر ہیں۔ لہٰذا سننے والے کو چاہیے کہ انہی الفاظ کو دہرائے۔ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃُ، حَتّٰی عَلَی الْفَلَاحُ سے نماز کی دعوت دی جا رہی ہے تو سننے والے کو چاہیے کہ اس دعوت پر عملی قدم اٹھانے کے لیے کسی خاص کلمے کے ذریعے سے مدد مانگے اور وہ خاص کلمہ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ العَلِّیِ الْعَظِیْم ہے۔

[۲] کلمہ شہادت: (اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَـہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ) پڑھ کر یہ پڑھے...... رَضِیْتُ بِاللّٰہِ رَبّاً وَّبِمُحَمَّدٍ رَسُوْلاً وَبِالْاِسْلَامِ دِیْناً.
اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ اس کے گزشتہ (صغیرہ) گناہوں کی مغفرت فرما دیں گے۔

[۳] نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پاک پڑھے۔ افضل و اکمل درود، درودِ ابراہیمی ہے جس کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو تعلیم دی ہے۔

اللّٰھم صلی علی محمد وعلی الٰہ محمد کما صلیت علیٰ ابراھیم وعلیٰ اٰل ابراھیم انک حمید مجید. اللّٰھم بارک علیٰ محمد وعلیٰ آل محمد کما بارکت علیٰ ابراھیم وعلیٰ اٰلِ ابراھیم انک حمید مجید.

[۴] (الف) یہ دعا پڑھے اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِہِ الدَّعْوَۃِ التَّامَّۃِ وَالصَّلٰوۃِ الْقَآئِمَۃِ، اٰتِ مُحَمَّدَ نِ الْوَسِیْلَۃَ وَالْفَضِیْلَۃَ وَابْعَثْہُ مَقَاماً مَّحْمُوْد نِ الَّذِیْ وَعَدْتَّہٗ اِنَّکَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادُ. (بخاریؒ، بیہقیؒ)

بعض لوگ ''والفضیلۃ'' کے بعد ''والدرجۃ الرفیعۃ'' اور ''وعدتہ'' کے بعد ''وارزقنا شفاعۃ یوم القیامۃ'' کا اضافہ کرتے ہیں اور اس دعا کو ''یاارحم الراحمین'' پر ختم کرتے ہیں۔ ان اضافوں کی حدیث پاک میں کوئی اصل نہیں ہے۔

(ب) بعض روایات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا پڑھنے کو بھی ارشاد فرمایا:

اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لَنَا اَقْفَالَ قُلُوْبِنَا بِذِکْرِکَ وَاَتْمِمْ عَلَیْنَا نِعْمَتَکَ (وَاَسْبِغْ) عَلَیْنَا مِنْ فَضْلِکَ وَاجْعَلْنَا مِنْ عِبَادِکَ الصّٰلِحِیْنَ. [عن انس بن مالک قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اذا سمعتم المؤذن یؤذن فقولوا. الحدیث. عمل الیوم واللیلۃ، لابن سنیؒ. ۴۷]

ترجمہ: اے اللہ! تو اپنے ذکر کی اتنی توفیق عنایت فرما کہ ہمارے دلوں کے بند قفل (تالے) کھل جائیں اور اپنی نعمت ہم پر پوری فرمادے اور اپنا فضل کامل کردے اور اپنے نیک بندوں میں شامل فرمادے۔ (آمین)

[۵] پھر اللہ سے اس کا فضل اور عافیت مانگے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اذان واقامت کے درمیان دعا رد نہیں ہوتی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم کیا دعا مانگیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ سے دنیا وآخرت کی عافیت مانگو۔ (اذان کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا کسی حدیث سے ثابت نہیں ہے)

[۶] حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مجھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اذانِ مغرب کے وقت یہ کلمات کہو۔ ''**اَللّٰھُمَّ اِنَّ ھٰذَا اِقْبَالُ لَیْلِکَ وَاِدْبَارُ نَھَارِکَ وَاَصْوَاتُ دُعَاتِکَ فَاغْفِرْلِیْ.**''

(زادالمعاد، عربی جدید، ص ۳۳۷ تا ۳۳۹، جلد ۲)

ترجمہ: یا اللہ! اس سہانے وقت میں جب کہ رات خراماں خراماں چلی آرہی ہے۔ دن اپنا منہ چھپانے کو ہے۔ خوش الحان مؤذنین تیرے نام کی صدائیں بلند کرتے ہوئے نماز کے لیے حاضری کی اطلاع دے رہے ہیں۔ میں تیری بارگاہ میں اپنی مغفرت کا سوال کرتا ہوں۔

[۷] حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سنتے کہ مؤذن **حی علی الفلاح** کہہ رہا ہے تو آپ (لاحول کے ساتھ) **اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنَا مُفْلِحِیْنَ.** بھی کہتے۔ اے اللہ ہم کو فلاح پانے والوں میں شامل کردے۔

(عن معاویہ بن ابی سفیان قال: کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا سمع المؤذن قال: حی علی الفلاح. قال اللھم اجعلنا مفلحین.)

[''اذان''۔ مولانا حبیب الرحمٰن ہاشمی]

امریکہ چیلنجز کے نرغے میں

سید یونس الحسنی

صدر جان واکر بش عراق میں صحافی منتظر الزیدی سے جوتے کھا کر وائٹ ہاؤس سے کیمپ ڈیوڈ میں منتقل ہو چکے ہیں۔ اُن کی آٹھ سالہ نفرت انگیز مہم جوئیوں نے ریاست ہائے متحدہ امریکہ کو سابق سوویت یونین کی طرح ناکوں چنے چبوا دیئے ہیں۔ اُس شخص نے عراق، افغان جنگ میں قومی خزانہ باپ کی ملکیت سمجھ کر بے دریغ خرچ کیا اور اب صورت حال یہ ہے کہ وہ جو ساری جنگیں یہودیوں کے تحفظ کے لیے لڑ رہا تھا بالآخر انہی کے ڈسنے سے قریب المرگ ہے، لیکن بش صدارت کے آخری ایام میں خود یہودی اس قابل نہیں رہے کہ کسی کے کام آسکیں۔ نوبت بہ ایں جا رسید کہ حکومت امریکہ نے اب خلیجی ممالک سے درخواست کی ہے کہ تین کھرب ڈالر دے کر امریکہ کو شدید کساد بازاری سے بچالیں۔ اصل بیان یوں ہے:

> ''امریکی حکومت نے عالمی مالیاتی بحران سے نمٹنے کے لیے خلیجی ممالک سے مدد طلب کی ہے۔ جمعرات کو کویت کے نامور روزنامے کے مطابق واشنگٹن نے حالیہ بحران سے نمٹنے کے لیے خلیجی ممالک کو تین کھرب ڈالر کی مالی مدد فراہم کرنے کی درخواست کی ہے۔ اخبار کے مطابق امریکی حکام نے سعودی عرب کو یک صد بیس ارب ڈالر متحدہ عرب امارات کو ۷۷ ارب ڈالر، قطر کو ۶۰ ارب ڈالر اور کویت کو چالیس ارب ڈالر کی مالیاتی مدد فراہم کرنے کی درخواست کی ہے۔ یہ رقم امریکی معیشت کو کساد بازاری کا شکار ہونے سے بچانے اور مارکیٹ میں سرمائے کی فراہمی یقینی بنانے کے لیے استعمال کی جائے گی۔ اس رقم سے خسارے کا شکار آٹو موبائل صنعت، بینکوں اور دیگر مالیاتی کمپنیوں کی امداد بھی کی جاسکتی ہے۔'' (روزنامہ 'جنگ' لاہور، ۲۱ر نومبر ۲۰۰۸ء)

نو منتخب امریکی صدر باراک اوبامہ ابھی وائٹ ہاؤس میں داخل نہیں ہوئے اور مسائل کی گھمبیرتا منہ کھولے شدت سے ان کی منتظر ہے۔ امریکی معیشت کی بحالی، بنیادی قومی ڈھانچے کی تشکیل و تعمیر نو، نیز ہیلتھ کیئر اوّلین ترجیح ہوگی یا بیرونی مہم جوئیاں، یہ فیصلہ وہ خود کریں گے۔ وعدے کے مطابق عراق سے مکمل عسکری انخلاء اور افغان جنگ میں تیزی لانا عالمی مبصرین کے مطابق دوست حکمت عملی ہرگز نہیں۔ سچ تو یہ ہے انھیں امریکہ کو ارتحال سے بچانے کے لیے مشرقِ

وسطیٰ بشمول افغانستان فوجی لحاظ سے فوری طور پر نکلنا ہوگا۔ ورنہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ سوویت یونین کی یاد دوبارہ تازہ کردے گا اور کوئی اس کا پرسانِ حال نہیں ہوگا۔

دوسری طرف اس کی درخواست ہے جو اس دفعہ یہودیوں کی بجائے مسلم ممالک سے کی گئی ہے۔ اس پر بغلیں بجانے کی بجائے سوچنے کی ضرورت ہے۔ امریکہ جو مسلمانوں کی ہر قدم تذلیل کا موجب ہے۔ اسلامی اقدار کے ساتھ بدترین تعصب کا برتاؤ کرتا ہے۔ اس کے پیشِ نظر اب بھی صرف اور صرف ارضِ فلسطین پر ناجائز یہودی ریاست کی محافظت ہے۔ چاہے اس کے لیے اردگرد کے مسلمانوں کو ختم ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔ ایک دفعہ تو صدر بش کے ذاتی مشیر نے یہ مشورہ بھی دیا کہ سپر پاور ہونے کے ناتے امریکہ کو حج کے موقع پر مکہ معظّمہ میں خانہ کعبہ پر ایٹم بم گرادینا چاہیے۔ اگر وہ امریکہ مدد مانگ رہا ہے تو بڑا سنہری موقع ہے کہ اُس سے پہلے شرائط منوائیں اور ان پر فوری عمل بھی ہو۔ وہ خونین بھیڑیا ہے اور دمِ تحریر تک لاکھوں افغان مسلمانوں کے خونِ ناحق میں ڈبکیاں لگا چکا ہے۔ وہ کسی مسلمان حکمران کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھتا۔ وہ تو نئی رومن ایمپائر قائم کرکے پوپ کو خوش کرنا چاہتا ہے۔ اس کی مدد کرنا تو دشمن کو طاقت ور کرنے کے مترادف ہے۔ اُسے یاد کرایا جائے کہ:

(الف)　تم یہودیوں کے دوست اور محافظ ہو۔ اس کڑے وقت میں ان سے مدد مانگو۔

(ب)　مسلمانانِ عالم کو تم نے ہمیشہ زچ کیا، ان کا بے تحاشا قتلِ عام کیا اور اب بھی کر رہے ہو۔ یہ دوستی نہیں دشمنی ہے۔

(ج)　مسلم ممالک میں بالجبر فوجی اور سی آئی اے کے اڈے قائم کیے ہوئے ہیں۔

(د)　افریقی مسلم ریاستوں کو باہم دگر دست و گریباں کرا کے وہاں عیسائی حکومتیں قائم کرا رہے ہو کہ مسلمان حکومت کی قابلیت سے عاری ہیں۔

(ر)　دشمنی کی تازہ مثال یہ ہے کہ انڈیا سے جوہری معاہدہ جبکہ پاکستان کا مطالبہ بیک جنبشِ قلم مسترد کردیا گیا۔ پختون قبائلیوں کا خون بہانا شروع کیا۔ یہ کھیل ابھی تک جاری ہے۔

(س)　یہودیوں کی طرح پاکستان میں قادیانیوں کی حفاظت کر رہے ہو۔

غیر جانبدار عالمی مبصرین کے مطابق امریکہ قریب المرگ ہے۔ اسے پوری طرح مرنے دینا چاہیے۔ اگر عرب مسلمان اس موت گزیدہ اینا کا وَنڈا سے بھی ڈرتے ہوں تو بے شک اُس کی مدد کریں اور خود مرنے کے لیے تیار رہیں۔

لالے بڑے چالاک لالے

عبدالمنان معاویہ

ممبئی کے اوبرائے ہوٹل اور تاج ہوٹل کے سانحات پر پاکستان کے صدر اور وزیراعظم کے علاوہ سیاسی اور مذہبی جماعتوں کے سربراہوں نے افسوس کا اظہار کیا۔ لیکن دوسری جانب ہمسایہ ملک بھارت جس کے ساتھ محبت کی پینگیں ڈالنے کی باتیں کی جارہی ہیں۔ مسلسل الزام تراشی کے علاوہ دھمکی تک پاکستان کو دے رہا ہے۔ ایسے حالات میں وزیراعظم پاکستان سید یوسف رضا گیلانی نے دیگر سیاسی جماعتوں کے سربراہوں سے رابطے کیے جو کہ ایک خوش آئند بات ہے۔ کہ تمام سیاسی پارٹیوں کو اعتماد میں لے کر اوران کے صحیح مشوروں پر عمل کر کے کوئی اچھا قدم اٹھایا جائے جو ملک وملت کے مفاد میں ہو۔

جنرل (ر) حمید گل صاحب کے بیان نے سو فیصد صحیح پاکستانی نمائندگی کی ہے کہ بھارت یہ سمجھ لے ہم کچھ بھی نہ ہوں لیکن ہم ''مجاہد'' ضرور ہیں۔ جنرل صاحب بے شک ریٹائرڈ ہو چکے ہیں لیکن سچے پاکستانیوں کے وہ اب بھی جنرل ہیں۔

اوبرائے ہوٹل اور تاج ہوٹل کا جو واقعہ رونما ہوا ہے۔ اس کے متعلق چند باتیں بڑی قابل غور ہیں جنھیں نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، ہم ترتیب وار بیان کرتے ہیں۔

(۱) جن لوگوں نے اوبرائے ہوٹل اور تاج ہوٹل میں لوگوں کو قیدی بنایا اور بھارتی حکومت پر اپنے مطالبات پیش کیے، وہ خود کو حیدرآباد دکن کی ''دکن مجاہدین'' نامی تنظیم کے رُکن بتلا رہے ہیں۔ پھر یہ ہوٹل جس کمپنی کے زیر انتظام ہے یعنی (TATA) کمپنی۔ ان کا کہنا ہے کہ حیران کن بات یہ ہے کہ ان دہشت گردوں کو ہوٹل کے خفیہ انتظامات کا کیسے علم ہوگیا؟'' کیا یہ بات بھی اندرونی سازش کا پتا نہیں دیتی؟

(۲) ابھی تک ملزمان گرفتار نہیں ہوئے تھے۔ بھارت نے الزام پاکستان پر لگا دیا۔ کیا یہ تعصب کی انتہا نہیں؟ منموہن سنگھ تو واضح فرماتے ہیں کہ ملزمان کے پاکستانی ہونے کے شواہد موجود ہیں، تو جنابِ مَن! لائیے وہ شواہد اور دنیا کے سامنے پیش کیجیے۔ لیکن اگر آنجناب کے پاس کچھ نہیں اور کہانی امریکیوں سے چُرا کر بنائی جارہی ہے تو اتنا یاد رکھیے کہ یہ افغانستان نہیں ہے۔

(۳) ہوٹل میں کئی غیر ملکی سیاح بھی موجود تھے جن میں ایک اسرائیلی فیملی بھی تھی اور اس اسرائیلی فیملی کو دہشت گردوں نے قتل کر دیا۔ کہا جاتا ہے کہ اگر یہ بھارتی ڈرامہ ہوتا تو اسرائیلی فیملی کو قتل نہ کیا جاتا کیونکہ اسرائیل کے ساتھ

بھارتی حکومت کے گہرے مراسم قائم ہیں۔ لیکن اگر ہم دیکھیں کہ جنرل ضیاء الحق کے طیارے میں ایک امریکی بھی موجود تھا جبکہ ان کے قتل میں امریکہ ملوث تھا اور عالمی تجزیہ نگاروں کے مطابق امریکہ، اسرائیل اور بھارت، پاکستان کو توڑنا چاہتے ہیں تو یقیناً اسرائیل کو جواز مہیا کرنے کے لیے بھارت نے اسرائیلی فیملی کو نشانے پر رکھا۔

(۴) توجہ طلب امر یہ بھی ہے کہ اسرائیلی کمانڈوز ایک گھنٹے کے اندر اندر واقعہ کی تحقیقات کی غرض سے بھارت پہنچ گئے۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ دال میں کچھ کالا ضرور ہے یا ساری دال ہی کالی ہے۔

(۵) اسرائیل اور امریکہ، بھارت کے اس ڈرامائی سین کو فلاپ سمجھتے ہوئے واضح طور پر کہہ رہے ہیں کہ یہ بھارت کا اندر کا معاملہ ہے، اس میں پاکستان ملوث نہیں ہے۔ اس سے ہمیں بڑی خوشی ہوئی لیکن یاد رہے کہ اسرائیل اور امریکہ ہمارے ساتھ مخلص نہیں بلکہ جب صدر آصف زرداری اور عسکری ذرائع نے شمالی وزیرستان کے علاقوں سے پاکستان کی فوج ہٹانے کی بات کی تو امریکہ کو اپنی موت نظر آئی جس کی وجہ سے امریکہ اور اسرائیل نے یہ بیان دے دیا کیونکہ انہیں ابھی وہاں ہماری ضرورت ہے۔

(۶) اس بات میں تو کوئی شک نہیں کہ افغانستان میں ''را'' کے ایجنٹ موجود ہیں اور وہاں ان کا مضبوط نیٹ ورک موجود ہے اور وہ اکثر وبیشتر پاکستان میں دھماکے کراتے رہتے ہیں۔ سربجیت سنگھ اس کی واضح اور زندہ مثال ہے۔

پاکستان میں میریٹ ہوٹل اور دیگر مقامات میں جو خودکش حملے یا بم دھماکے ہوئے، اسے جاننے کے باوجود کہ ''را'' کے اہلکار پاکستان کے خلاف یہ سب کچھ کروا رہے ہیں اور ان کے ساتھ اسرائیلی خفیہ تنظیم ''موساد'' کا تعاون ہے۔ ہمارے حکمرانوں نے بھارت کا نام تک نہیں لیا۔ ان خودکش حملوں کی وجہ سے پاکستان کی معیشت کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا۔ لیکن ہمارے حکمران ''تعلقات خراب نہ ہو جائیں'' جیسی سوچ کا شکار ہو کر سب کچھ جان کر بھی انجان بنے دیکھتے رہے۔ دوسری طرف بھارتی وزیراعظم اور سربراہانِ حکومت اور خفیہ ایجنسیوں کے افسران بالا نے ملزمان گرفتار ہونے سے پہلے ہی پاکستان پر الزام لگانا شروع کر دیا تھا۔ یعنی بچہ پیدا نہیں ہوا اور نام پہلے ہی رکھ لیا۔

یہ ہندو لالے شروع دن ہی سے مسلمانوں کے عموماً اور پاکستان کے خصوصاً دشمن ہیں۔ یہ ڈرامہ انھوں نے امریکیوں کی نقالی میں رچایا ہے کہ اگر امریکہ ورلڈ ٹریڈ سنٹر کا ڈرامہ رچا کر افغانستان کو تباہ کر سکتا ہے اور اگر امریکہ جوہری ہتھیاروں کا ڈرامہ رچا کر عراق کی اینٹ سے اینٹ بجا سکتا ہے تو ہم اوبرائے ہوٹل اور تاج ہوٹل کا ڈرامہ بنائیں اور پھر پاکستان اور کشمیر کو تباہ کر کے اپنے زیر کر لیں۔ لیکن بھارتی لالے یہ یاد رکھیں تو اچھا ہے کہ ؎

ہم خاموش ہیں کہ درہم نہ ہو عالم کا نظام
ناداں یہ سمجھ بیٹھے کہ قوتِ انتقام نہیں

قومی زبان اور طبقاتی تعلیمی نظام

محمد جاوید اختر ○

علم، تحقیق اور ٹیکنالوجی کسی خاص زبان کے محتاج نہیں ہوتے بلکہ انھیں کسی قوم تک پہنچانے کے لیے کسی ایسی زبان کو ذریعہ تعلیم بنانا ضروری ہوتا ہے جو اس قوم میں بولی اور سمجھی جاتی ہو تا کہ لوگ اپنی توانائیاں کوئی نئی زبان سیکھنے کی بجائے حصولِ علم پر صرف کریں۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں انبیاء کرام علیہم السلام کو انسانیت کی ہدایت کے لیے بھیجا۔ چونکہ مقصود ہدایت پہنچانا تھا لہٰذا اس کے لیے اسی قوم ہی کی زبان منتخب کی گئی جس قوم کے پاس نبی بھیجا گیا۔ قرآن مجید میں ہے ''اور نہیں بھیجا ہم نے کوئی رسول سوائے اس کے کہ اس قوم کی زبان میں سے ہوتا کہ (ہماری ہدایت) کھول کھول کر بیان کردے۔'' (ابراہیم:۴) اقوام متحدہ نے اسی اصول کو حصولِ تعلیم کی بنیادی شرط کے طور پر تسلیم کیا اور اس کے چارٹر کے مطابق ہر بچے کا یہ بنیادی حق ہے کہ وہ اپنی مادری زبان میں تعلیم حاصل کرے۔ دنیا کی ترقی یافتہ اقوام مثلاً امریکہ، برطانیہ، جاپان، جرمنی، فرانس، چین، روس، اٹلی اور کوریا نے اسی یونیورسل اصول کو اپنا کر ترقی کی منازل طے کیں۔ جبکہ پاکستان میں قومی زبان اردو کی بجائے ایک بدیسی زبان انگریزی کو ذریعہ تعلیم بنانے سے طلباء کی تمام توانائیاں انگریزی سیکھنے میں صرف ہو جاتی ہیں اور اصل مقصد یعنی حصولِ علم و تحقیق ثانوی حیثیت اختیار کر جاتا ہے۔

یورپی اقوام نے تحریک احیائے علوم کے دوران اپنے مروجہ روایتی نظریات کی روشنی میں اپنی ہی زبانوں میں نظامِ تعلیم رائج کر کے ترقی کی منازل طے کیں۔ برطانوی لوگ اصلاً قوم علم و تہذیب سے نابلد انگلوسیکسن قبیلہ کے خانہ بدوش تھے۔ چودھویں صدی عیسوی میں ان کا ایک مفکر جیفری چوسر انگریزی زبان کو پہلی مرتبہ ضبطِ تحریر میں لایا۔ اس کے خیال میں قومی تشخص قائم کیے بغیر ان خانہ بدوشوں کی ترقی ممکن نہیں اور قوم کی شناخت اور تشکیل کے لیے اپنے ہی مروجہ نظریات کی روشنی میں اپنی ہی زبان میں علم کا حصول بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ اس کے بعد شیکسپیئر، ملٹن اور سپینسر وغیرہ کے ہاتھوں یہ زبان ترقی کی منازل طے کرتی ہوئی دنیا میں راج کرنے لگی۔ اسی طرح یورپ کی دیگر اقوام نے اپنے نظریات کی روشنی میں اپنی ہی مروجہ زبانوں میں کام کر کے ترقی کی۔ حالانکہ اس وقت ان کی زبانیں علاقائی بولیوں سے بھی زیادہ پسماندہ تھیں لیکن انھیں یہ حقیقت سمجھ آ گئی کہ اپنے نظریات اور زبان کے فروغ کے علاوہ ترقی کا کوئی دوسرا راستہ ہے ہی نہیں۔

○ رابطہ: muhammad_javedakhtar@yahoo.com

تصور کریں کہ اگر انگریزوں یا امریکیوں پر آج چینی یا جاپانی زبان وکلچر مسلط کردیے جائیں تو ان اقوام کی سیاسی، معاشی اور صنعتی ترقی کا حال بھی ان کی معاشرتی اور اخلاقی حالت کی طرح ابتر ہو جائے گا۔

سرسید احمد خان نے اپنے انگلستان میں قیام کے دوران (اپریل ۱۸۶۹ء تا اکتوبر ۱۸۷۰ء) اس حقیقت کا بغور مشاہدہ کیا کہ یورپی اقوام کی ترقی کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ان اقوام نے تعلیم وتحقیق کے لیے اپنی قومی یا مادری زبان ہی کو رائج کیا ہے۔ سرسید نے اس حقیقت کا اظہار یوں کیا ہے:

> ”انگریز قوم نے جو اس قدر ترقی کی ہے وہ صرف اس بات کا نتیجہ ہے کہ تمام علوم وفنون اسی زبان میں ہیں جو وہ لوگ بولتے ہیں۔ اگر انگریزی زبان میں تمام علوم وفنون نہ ہوتے بلکہ لیٹن یا گریک میں، یا فارسی، عربی میں ہوتے تو تمام انگریز اب تک ایسے ہی جاہل اور بے علم ناخواندہ ہوتے جیسے کہ بدنصیبی سے ہم لوگ ہندوستان میں جاہل ہیں اور آئندہ کو بھی جب تک کہ تمام علوم وفنون ہماری زبان میں نہ ہوں گے، ہم جاہل اور نالائق رہیں گے اور کبھی عام تربیت نہ ہوگی۔ جو لوگ حقیقت میں ہندوستان کی بھلائی اور ترقی چاہنے والے ہیں وہ یقین جان لیں کہ ہندوستان کی بھلائی اسی پر منحصر ہے کہ تمام علوم اعلیٰ سے ادنیٰ تک انھیں کی زبان میں ان کو دیے جائیں۔ میری یہ رائے ہندوستان کے ہمالیہ پہاڑ کی چوٹی پر نہایت بڑے بڑے حرفوں میں آئندہ زمانے کی یادگاری کے لیے کھود دی جائے کہ اگر تمام علوم ہندوستان کو اسی زبان میں نہ لیے جائیں تو کبھی ہندوستان کو شائستگی وتربیت کا درجہ نصیب نہیں ہوگا۔“ (مسافرانِ لندن۔ ص ۱۹۷)

لیکن اس وقت ہندوستان کے حالات مختلف تھے۔ انگریز کی بدیسی حکومت قائم تھی۔ متحدہ ہندوستان میں مختلف زبان وکلچر کی حامل بہت سی قومیں آباد تھیں اور لارڈ میکالے کی تعلیمی پالیسی نافذ ہو چکی تھی جس کا مقصد ہندوستان میں انگریز کے وفادار اور مغربی تہذیب کے علمبردار افسران اور اساتذہ پیدا کرنا تھا۔ اس پالیسی کے تحت اکثریتی آبادی کی حامل ہندو قوم نے تعلیم حاصل کرنی شروع کر دی تھی اور مسلمانوں کے جاہل رہ جانے کا خدشہ تھا۔ اس بنا پر سرسید نے مقبوضہ ہندوستان کے مسلمانوں کی ترقی کے لیے اپنی رائے تبدیل کی۔ وہ ۱۸۸۱ء میں اپنے رسالہ ”تہذیب الاخلاق“ ص ۱۳۳، ۱۳۲ پر اپنا نقطہ نظر تبدیل کرنے کی وجہ بیان کرتے ہیں:

> ”جن ملکوں نے اس زمانے میں اعلیٰ درجہ کی ترقی کی ہے اس کا بڑا سبب یہی ہے کہ انھوں نے تمام علوم وفنون کو اپنی زبان میں کر لیا ہے۔ مگر جن ملکوں نے ایسا کیا ان میں اور ہندوستان میں بڑا فرق ہے۔ ان ملکوں میں ایک ہی قوم اور ایک ہی زبان حکومت کرتی ہے۔ مگر

ہندوستان میں نہ ہندوستانی حکومت کرتے ہیں، نہ یہاں کی زبان حکمران ہے۔''

سرسید کی دوسری رائے ایک مخصوص ماحول اور حالات کے جبر کے تحت اختیار کی گئی تھی۔ قیامِ پاکستان کے بعد ایک آزاد اور خود مختار نظریاتی ریاست میں فروغِ تعلیم، تحقیق، ترقی اور نظریاتی ہم آہنگی کے لیے انتہائی مضر، غیر فطری اور ملکی یکجہتی کے لیے تباہ کن ثابت ہوسکتی تھی اور یہ رائے آزادی کے فوراً بعد ترک کر دینی چاہیے تھی۔ لیکن گزشتہ باسٹھ سال سے بعض کالے انگریزوں کی مستقل مزاجی کے سبب ساری قوم اس غلط پالیسی کے تسلسل اور اس کے منفی اثرات کی زد میں ہے۔

عملی طور پر دنیا میں ترقی یافتہ ممالک پر ایک نظر دوڑائیں تو سب ممالک نے انھیں راستوں پر چل کر اپنی ترقی کی منازل طے کی ہیں۔ دوسری جنگِ عظیم میں بدترین تباہی اور کامل شکست کے بعد جاپانیوں نے سوائے نظامِ تعلیم کے تمام امریکی شرائط پر ان سے معاہدہ کیا۔ نظامِ تعلیم کے متعلق جاپانی بادشاہ کا مؤقف یہ تھا کہ ہم جاپانی قوم کا وجود ختم نہیں ہونے دیں گے۔ ہم اپنے ہی نظریات کی روشنی میں اپنی زبان ہی میں تعلیم دیں گے۔ اس اصول پر یکسو ہوکر کام کر کے جاپانیوں نے کتنی ترقی کی، سب کے سامنے ہے۔ امریکہ آبادکاروں کی سرزمین ہے۔ ان میں کوئی فکری یا نظریاتی ہم آہنگی نہیں تھی۔ البتہ اکثریت انگریزی بولنے والوں کی تھی۔ سول وار کے بعد انھوں نے قومی ہم آہنگی پیدا کرنے کے لیے اپنے نظامِ تعلیم کو بڑی احتیاط سے ترتیب دیا۔ یونیورسٹیوں میں شعبہ ہائے تدریس ونصاب (Department of Curriculum & Instruction) قائم کیے۔ ان اداروں کی تحقیقات کی روشنی میں تعلیمی درجہ بندیاں کیں اور ایسے سلیبس متعارف کرائے اور ان پر علم درآمد یقینی بنایا کہ امریکی تعلیمی اداروں میں ایسا ذہن پرورش پائے جو فارغ التحصیل ہوکر عملی زندگی میں خواہ کسی بھی شعبہ زندگی سے وابستہ ہو لیکن اس کی ترجیحات میں امریکی مفادات مقدم ہوں۔ آزادیٔ اظہار اور آزادیٔ رائے کے تمام دعوؤں کے باوجود امریکہ میں کسی غیر ملکی تعلیمی ادارے کا قیام تو درکنار، وہاں کسی غیر ملکی شہری کو نہ تو پرائمری سطح کے کسی تعلیمی ادارے میں پڑھانے کی اجازت ہے اور نہ ہی کوئی غیر ملکی کسی بھی سطح کے تعلیمی ادارے کا سربراہ ہوسکتا ہے۔ ان کے خیال میں اس طرح امریکی معاشرے پر غیر ملکی اثرات مرتب ہوسکتے ہیں جو امریکی قوم کی یک جہتی کو متاثر کرسکتے ہیں۔ لہٰذا امریکی مفاد اسی میں ہے کہ ان اثرات کے اسباب کو روکا جائے۔

قیامِ پاکستان سے پہلے ہندوستان پر چونکہ انگریز کی حکومت تھی۔ لہٰذا انھوں نے نہ صرف عمومی تعلیمی نظام اپنے مفادات کے مطابق ترتیب دیا بلکہ یہاں ایک طبقاتی نظام متعارف کرایا۔ انگریزی کو دفتری اور فوجی زبان قرار دیا گیا۔ یہ سب فیصلے انگریز حکومت کے مفادات کے تحفظ کے لیے تھے جنھیں قیامِ پاکستان کے فوراً بعد یکسر بدل دیا جانا چاہیے تھا۔ قائداعظم اس معاملے میں اس قدر سنجیدہ تھے کہ قیامِ پاکستان کے بعد انھوں نے انگریزی لباس تک کو ترک کر دیا تھا۔

قدرت نے انھیں مہلت نہ دی اور ہم انگریز دور کے طبقاتی نظام کے فیض یافتگان اور لارڈ میکالے کے تہذیبی وروحانی ورثاء کے رحم وکرم پر آ گئے۔ ان لوگوں نے اس فرسودہ نظامِ تعلیم کو برقرار رکھا اور اس نے ایسے ایسے بیمار ذہن پیدا کیے جو پاکستانی مفادات کا ادراک ہی نہیں رکھتے، جن کی سوچ، جن کی فریکوینسی سراسر مغربی اور امریکی مفادات سے ہم آہنگ ہے۔ وہ ’’آقاؤں‘‘ کے ذہن سے سوچتے ہیں اور پاکستان میں انہی کے مفادات کے لیے کام کرتے ہیں۔ انگریزی بڑے فخر سے بولتے ہیں اور محض اسی خوبی کی بنا پر اپنے آپ کو ملک میں منفرد مقام کا مستحق سمجھتے ہیں۔ ایک سابق وزیر تعلیم کی نظریہ پاکستان سے وابستگی کا عالم تھا کہ موصوف قرآن مجید کے سیپاروں کی تعداد سے واقف نہیں تھے، البتہ انگریزی زبان کی ترویج واشاعت کے لیے بہت جذباتی تھے۔ انگریزی کو ایک غیر ملکی زبان کی حیثیت سے پڑھانا ضروری صحیح لیکن ملکی مفادات کے برعکس پاکستان کے سولہ کروڑ عوام کو حصولِ علم کے لیے ایک بدیسی زبان کا محتاج بنا دینا ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ کاش ہم باسٹھ سالہ غلط پالیسیوں سے سبق سیکھ سکیں۔ طبقاتی نظام کو ختم کر کے نظریہ پاکستان کے مطابق قومی زبان میں یکساں نظامِ تعلیم کا اجراء کر سکیں۔ مسلح افواج کے تربیتی اداروں سمیت پیشہ ورانہ سول اداروں کے نصابات کی زبان، سمت اور ہدف کو ’’قومیا‘‘ سکیں۔ آج پاکستان میں برطانیہ اور امریکہ کے تعلیمی اداروں نے تعلیم کو ایک نفع بخش تجارت بنایا ہوا ہے۔ نتیجتاً وطن عزیز میں طبقاتی کشمکش کو فروغ مل رہا ہے اور قومی یکجہتی کو نقصان پہنچ رہا ہے۔ لیکن......داد کس سے چاہیں، فریاد کس سے کریں؟

کچھ لوگ خود اپنی کوشش سے طوفان کی زد سے بچ نکلے
کچھ لوگ مگر ملاحوں کی ہمت کے سہارے ڈوب گئے

☆☆☆

ماہانہ مجلس ذکر واصلاحی بیان
29 جنوری 2009ء
جمعرات بعد نماز مغرب
ابن امیر شریعت
حضرت پیر جی
سید عطاء المہیمن بخاری
دامت برکاتہم
امیر مجلس احرار اسلام پاکستان
دارِ بنی ہاشم
مہربان کالونی ملتان
الداعی سید محمد کفیل بخاری ناظم مدرسہ معمورہ دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان
061-4511961

توہین رسالت کی ناپاک جسارت

عبدالقدوس محمدی

اسلامی جمہوریہ پاکستان کے سرکاری اور پرائیویٹ سکولوں کی زبوں حالی اور زوال کا ہر روز ایک نیا منظر ہمارے سامنے ابھرتا ہے۔ ایسے محسوس ہوتا ہے کہ اسلام دشمن طاقتیں اپنے ایجنٹوں کے ذریعے بڑی تیزی کے ساتھ ہماری نظریاتی سرحدوں پر حملے کر کے ہمارا اسلامی تشخص ختم کر رہی ہے۔ خدشہ ہے کہ اگر ان کو بے لگام چھوڑا گیا تو کفریہ تعلیم کے ذریعے یہ بچوں کے دل و دماغ بدلنے کی ناپاک سازشوں میں کامیاب ہو جائیں گے کیونکہ جو قومیں اپنے بنیادی نظریے اور مذہب کی حفاظت نہیں کرسکتیں، وہ برباد ہو جاتی ہیں۔ اکبر الہ آبادی نے کہا تھا:

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

کبھی اطلاع آتی ہے کہ اسلام آباد کے فرابلز انٹرنیشنل سکول واقع ایف سیون ٹو میں اسلامی تعلیمات کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔ کبھی پتا چلتا ہے کہ گورنمنٹ کالج لاہور کے نصاب میں فحش جنسی مواد کے ساتھ ساتھ شراب اور خنزیر کو بھی جائز قرار دیا گیا ہے۔ کبھی معلوم ہوتا ہے کہ ایچی سن کالج میں شعائر اسلامی کا تمسخر اڑایا جاتا ہے۔ کبھی خبر آتی ہے کہ ٹیکسٹ بک بورڈ پشاور کی طرف سے تیسری جماعت کی کتاب ''میری نئی کتاب'' کے صفحہ ۱۳۱ پر سورۃ فاتحہ کی آیات میں تحریف کی گئی ہے اور کبھی اسی بورڈ میں موجود قادیانیوں کی وجہ سے چوتھی جماعت کی اسلامیات کی کتاب کے ص ۷ پر سورہ الماعون کی آخری آیت غائب کر دی جاتی ہے۔ اسی طرح انگلش میڈیم سکولوں میں بھی پڑھایا جانے والا نصاب اسلام دشمن مواد پر مبنی ہوتا ہے۔ جس سے نہ صرف ہمارا اسلامی تشخص مجروح ہوتا ہے بلکہ مسلمانوں کی نئی نسل ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت گمراہ کی جاتی ہے۔ انگلش میڈیم سکولوں میں پڑھائی جانے والی تاریخ کی کتاب Oxford History for Pakistan کے باب The Teaching of Islam میں واضح طور پر رسولِ خاتم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے بارے میں شکوک وشبہات پھیلانے کی ناپاک جسارت کی گئی ہے۔

حال ہی میں صوبہ پنجاب کے دارالحکومت لاہور کے علاقہ والٹن کینٹ میں واقع قربان اینڈ ثریا ایجوکیشنل

ٹرسٹ کی طرف سے جان بوجھ کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں بدترین توہین کا ارتکاب کیا گیا ہے۔
اس سکول میں گزشتہ دو سال سے تیسری جماعت کے طلباء وطالبات کو ایک کتاب ''قربان آ گہی'' پڑھائی جا رہی ہے جس میں حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی صریحاً توہین کی گئی ہے۔ اس کتاب کے ص ۲۲ پر ایک باب ہیرو/ رول ماڈل ہے۔
اس باب میں بتایا گیا ہے کہ ہیرو کون ہوتا ہے اور اس میں کونسی خوبیاں اور خصوصیات ہونی چاہئیں؟ پھر لکھا ہے:
ہمارے معاشرے کے کچھ اچھے ہیرو (۱) ہمارے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم (۲) قائداعظم (۳) سرسید احمد خان (۴) محترمہ فاطمہ جناح (۵) عبدالستار ایدھی (۶) سر قربان علی (قربان سکول کا مالک)

پھر بچوں سے سوال پوچھا گیا ہے: ان لوگوں میں کیا خصوصیات ان کو ہیرو کا درجہ دیتی ہیں؟ اس کے آگے سکول کے مالک قربان کی بڑی رنگین تصویر دے کر بچوں سے پوچھا گیا ہے کہ ایک اصل ہیرو اور آج کل کے ہیرو میں کیا فرق ہے؟ ظاہر ہے کہ بچہ نفسیاتی طور پر سکول انتظامیہ سے مرعوب ہوتا ہے۔ اسے ڈر ہوتا ہے کہ اگر اس نے ہیرو کے طور پر سکول کے مالک کا نام نہ لکھا تو ممکن ہے، کلاس ٹیچر اُسے ڈانٹے یا سکول سے باہر نکال دے۔ لہٰذا وہ مسٹر قربان کا نام لکھنے پر مجبور ہوگا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کے ساتھ دیگر شخصیات کے تقابل کی ضرورت کیوں پڑی؟ حالانکہ ان میں سے تو بعض شخصیات اسلام بیزار، سیکولر اور بے دین ہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان شخصیات کو ایک ہی فہرست میں شامل کرنا صریحاً توہین رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمرے میں آتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سردار المرسلین، خاتم النبیین اور وجہ تخلیق کائنات ہیں۔ قرآن مجید کی بے شمار آیات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں نازل ہوئیں۔ آپ کی ذاتِ گرامی سے دیگر شخصیات کا تقابل کرنے والے گستاخِ رسول اور مردود ہیں۔

اس کتاب کے ص ۱۱ پر سادگی کے عنوان سے دیئے گئے مضمون کی پہلی سطر میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لکھا ہوا ہے جب کہ اسی سطر کے اوپر جوتے کی تصویر بنائی گئی ہے۔ (نعوذ باللہ)

یہ کتاب بازار میں عام دستیاب نہیں لیکن سکول انتظامیہ نے اردو بازار کے ایک پبلشر الطاف ایجوکیشنل پبلشرز بنگالی گلی اردو بازار لاہور سے شائع کروا کر تمام سٹاک اپنے پاس محفوظ رکھا اور تیسری کلاس کے ہر بچے سے زبردستی ۷۰ روپے وصول کر کے اسے یہ کتاب دی گئی۔ یہ بھی یاد رہے کہ ''قربان آ گہی'' نامی کتاب بچوں کے نصاب میں شامل نہیں، لیکن اسے دوسری کتابوں کی طرح باقاعدگی سے سکول میں پڑھایا جاتا ہے۔ دوسرا یہ بھی ظاہر ہے کہ سکول میں بچوں کو یہ کتاب سہواً نہیں بلکہ عمداً پڑھائی جاتی رہی۔ بتایا گیا ہے کہ شروع میں بچوں کے والدین نے جب اس کتاب کی اشاعت پر احتجاج کیا تو مسٹر قربان نے نہایت اکھڑ اور غیر شائستہ لہجے میں کہا کہ آپ اَن پڑھ لوگ ہیں۔ میں بہتر جانتا ہوں کہ کتاب میں کونسی چیز اچھی ہے اور کونسی بری۔ اب سکول انتظامیہ کی طرف سے ایک غیر مبہم معافی نامہ بچوں میں تقسیم کیا گیا ہے جس

میں کہا گیا ہے کہ چند شر پسند یہ معاملہ اچھال رہے ہیں۔ لہٰذا یہ معاملہ ختم کر دیا جائے۔ اسے کہتے ہیں چوری اور سینہ زوری۔ سکول انتظامیہ نے پہلے توہین رسالت کا ارتکاب کیا اور بعد ازاں مسلمانوں کے احتجاج پر انھیں شر پسند کا لقب دے دیا۔ ذرائع نے بتایا ہے کہ قربان سکول کے لیڈیز سٹاف میں اکثریت قادیانیوں کی ہے۔ یہ قادیانی ٹیچرز بچوں کے ذہن میں ہر روز اسلام دشمن زہر گھولتی رہتی ہیں۔ حال ہی میں ایک سینئر قادیانی ٹیچر مسز ماجد کا انتقال ہوا تو اس کا جنازہ گھر سے قربان سکول لایا گیا جہاں مسٹر قربان علی نے نہ صرف دیگر قادیانی سٹاف کے ساتھ اس کے لیے دعائے مغفرت کی بلکہ تین دن تک اس قادیانی ٹیچر کے لیے پورے سکول میں قرآن خوانی کی گئی۔

ہم یہاں نہایت افسوس کے ساتھ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ اسلام دوستی کے حوالے سے پنجاب حکومت کا ریکارڈ بہت تسلی بخش نہیں ہے کیونکہ جہاں کہیں بھی توہین رسالت کا واقعہ ہوتا ہے۔ عجیب بات ہے کہ وہاں کوئی نہ کوئی ایم این اے یا ایم پی اے بجائے اس واقعہ کی مذمت کرنے کے ملزمان کی سرپرستی میں فخر محسوس کرتا ہے اور بدقسمتی سے یہاں بھی ن لیگ کا ایم پی اے ملزمان کی پشت پناہی کر رہا ہے۔ اس کے علاوہ پاکستان بھر میں خصوصاً پنجاب کے مختلف علاقوں میں قادیانی سرعام آئین، قانون اور عدالتی فیصلوں کا مذاق اڑاتے ہوئے خود کو مسلمان کہلواتے، اپنے مذہب کی تبلیغ کرتے، گستاخانہ لٹریچر تقسیم کرتے، شعائر اسلامی کا تمسخر اڑاتے اور اسلامی مقدس شخصیات ومقامات کی توہین کرتے اور اس راستہ میں رکاوٹ بننے والے مسلمانوں کو بڑی بے دردی سے قتل کر دیتے ہیں جبکہ پنجاب حکومت اس سلسلہ میں پُراسرار خاموشی اختیار کیے ہوئے ہے۔ اس کے باوجود ہم زنجیر عدل ہلاتے ہوئے وزیراعلیٰ پنجاب میاں شہباز شریف سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ اس واقعہ کا فوری طور پر نوٹس لیں اور اس کتاب کے پبلشر الطاف ایجوکیشنل پبلشرز بنگالی گلی اردو بازار لاہور، قربان سکول کے مالک مسٹر قربان علی، کتاب کو تیار کرنے والے مسز عابدہ محمود، مس سعدیہ سعید، مسز ناہید نعیم، مس صائمہ خاں، مس ساجدہ پروین اور سید یاسر علی کے خلاف قانون توہین رسالت کا ارتکاب کرنے پر تعزیراتِ پاکستان کی دفعہ ۲۹۵ سی کے تحت مقدمہ درج کیا جائے اور ملزمان کو گرفتار کر کے قرار واقعی سزا دی جائے تاکہ آئندہ کسی کو ایسی ناپاک حرکت کرنے کی جرأت نہ ہو سکے۔

وقتِ قیام آ گیا ہے

خواجہ غلام ربانی مجال (راولپنڈی)

مکرمی! ۱۴/اگست ۱۹۴۷ء کو میری عمر ۱۷ برس ۶ ماہ ۸ یوم تھی۔ میں کالج میں پڑھتا تھا۔ البتہ ستمبر ۱۹۳۹ء میں شروع ہونے والی جنگ عظیم دوم کی وجہ سے شہری زندگی میں روز افزوں مشکلات اور تبدیلیوں نے آنکھیں کھول کر زندگی کی اہمیت سمجھا دی تھی۔ طلوعِ پاکستان عظیم معجزہ تھا۔ الوہی تقویم میں دس بیس صدیاں کیا ہزاریوں کی بھی کوئی بساط نہیں۔ مگر آج میں اپنی زندگی میں ہی معجزۂ پاکستان کی تعبیر سامنے کھلتی دیکھ رہا ہوں تو سمجھ آ رہا ہے کہ ''وقت لپیٹ دیا جائے گا۔'' (قرآن) کے کیا معنی ہو سکتے ہیں۔ یہود، نصاریٰ اور ہنود صف بند ہو چکے ہیں۔ میدان اور اہداف، گوادر سے بحیرۂ کیپسین تک اور اٹک سے سیاچن تک...... طے ہو چکے۔ ہمارے سیمنٹ سے ہندوستانی انجینئر افغانستان میں مستقل ہوائی اڈے بنانے میں شب و روز مشغول اور مامون۔ بس تزویراتی وسائل کو آمدہ موسم بہار تک مناسب ٹھکانوں تک پہنچانا اور متعین کرنا ہی باقی ہے۔ جو زمین نشانہ بننے والی ہے۔ اُس سے زمانے کی کارروائیاں جاری ہیں، جاری رہیں گی۔ اللہ تعالیٰ کی شان ہے کہ عرب کے خیبر سے آ کر یہاں یہودیوں نے نیا خیبر آباد کیا۔ پھر ان کی نسل مسلمان ہوگئی۔ آج یہی لوگ پہلا نشانہ ہوں گے۔ بعض لوگوں کے لیے میری عاجزانہ دعا:

؎ ''میری دعا ہے تری آرزو بدل جائے''

اگر آپ کو اس تصویر میں کوئی صداقت نظر آتی ہے تو للہ

(۱) اپنی زمین اور اس کی آبادی کو اب مزید نہ نرمائیں۔ باز نہ آئے تو یہی دلدل ہمیں نگل لے گی۔

(۲) ایران، چین اور روس سے معاملات طے کرنے کی سعی و جہد کیجیے۔ دنیا میں امریکہ کے ۷۰۰ اڈے ہر ایک کا گلا دبوچنے کے لیے بہت ہیں۔ اب اسے مزید نہ بڑھنے دیا جائے۔ ہماری طرح یہ تینوں اس اتحاد کے نشانے پر ہیں اور میری رائے میں ہم سے بہتر ذہانت دکھاتے ہیں۔ خصوصاً ایران اور چین۔

(۳) امریکی سحر سے نکل آیئے۔ اس قوم کو اب فنا کے گھاٹ اتر جانا ہے۔

(۴) اللہ کریم سے سچی توبہ کیجیے۔ اس سے جنگ (اندرونی نظام سود) کرنی بند کیجیے اور نصرت طلب کیجیے۔

[مرسلہ: ڈاکٹر حافظ صفوان محمد چوہان]

افضل ہے، مکرّم ہے یہ جوتا ترا زیدی

شیخ حبیب الرحمٰن بٹالوی

ہے سر بھی وہی اور یہ پتھر بھی وہی ہیں
مزدور سے ٹیچر کے مقدر بھی وہی ہیں

بدلے نہیں ، بدلے نہیں حالاتِ غریباں
بندر ہیں ، مداری ہیں ، مچھندر بھی وہی ہیں

مفلس کو تو ملتا نہیں روٹی کا بھی ٹکڑا
دھوکا ہمیں دیتے ہیں یہ رہبر بھی وہی ہیں

مائیں وہی ، بچے بھی ، تسلی بھی وہی ہے
پانی میں اُبلتے ہوئے پتھر بھی وہی ہیں

مسلم کے یہ دشمن ہیں ، اَہنسا کے پجاری
مردار ہیں ، بزدل ہیں یہ سڑ کر بھی وہی ہیں

چل پھر کے میں لکھتا ہوں ، تو پڑھتا بھی وہی ہوں
اخبار کے دفتر کے وہ چکر بھی وہی ہیں

پھلتا رہے بڑھتا رہے بوٹا ترا زیدیؔ
افضل ہے ، مکرّم ہے یہ جوتا ترا زیدی

افادات: مولانا سید ابوذر بخاری رحمۃ اللہ علیہ
مرتب: سید محمد کفیل بخاری

شہادتِ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ

سیدنا حسین ابن علی رضی اللہ عنہما کی انقلاب انگیز شہادت تاریخ اسلام کا ایک مسلّمہ اور مصدقہ واقعہ ہے۔ جس کے منفی اثرات سے اُمت قیامت تک کے لیے دو دھڑوں میں تقسیم ہو کر رہ گئی۔ ان میں عقائد اور دین کے متعلق اتنا زبردست اختلاف اور بُعد پیدا ہو چکا ہے۔ جس کا ختم ہونا تو اب عملاً غیر ممکن ہے، اور کم ہونا بھی مشکل ترین معاملہ ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی قطعی اور یقینی امر ہے کہ آپ کی شہادت کا دردناک حادثۂ فاجعہ امیر یزید کے عہد خلافت اور عبید اللہ ابن زیاد کی گورنری کے دور میں محرم ۶۱ ہجری کے اندر پیش آیا۔ لیکن یہ مسئلہ کہ حُکامِ کوفہ کے ساتھ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی آخری گفتگو کے مطابق آپ کے اِرادہ میں کوفہ کے عوام کے حیرت انگیز سیاسی انقلاب کے باعث دمشق جا کر براہِ راست امیر یزید کے ساتھ اپنا معاملہ طے کرنے کا جو تغیُّر پیدا ہوا تھا، اس کے بعد بھی آپ کی فطرت و نسبت کے خلاف اور متضاد مطالبہ منوانے کا بہانہ بنالیا گیا۔ نتیجتاً آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص نسبی اور روحانی تعلق کی بنا پر اپنی خداداد غیرت وحمیت اور عزیمت وشجاعت کا بے مثال مظاہرہ کرتے ہوئے نہ صرف اپنی ہی جان قربان کر دی، بلکہ اپنے بھائیوں، بیٹوں اور بھتیجوں کو بھی شہید ہوتے ہوئے دیکھ کر خون کے گھونٹ پیئے اور اپنے دینی مؤقف پر کوہِ استقلال بن کر آخری سانس تک ثابت قدم رہے۔ جب آپ کے آفت ومصیبت اور درد وغم چشیدہ بقیہ اہلِ خانہ دمشق پہنچائے گئے تو حادثۂ کربلا کی تفصیلی روداد سن کر اور اس کے نتیجہ میں اس عظیم خاندان کے تباہ شدہ افراد کی حالت زار دیکھ کر امیر یزید نے قتلِ حسین کے حکم اور اس پر رضامندی سے علانیہ برأت ظاہر کی تو اسی دور میں آپ کی شہادت کے حقیقی اور خفیہ اسباب ومحرکات کے متعلق ایک عجیب ذہنی مخمصہ پیدا ہوا اور کچھ عرصہ بعد ایک مستقل اختلاف کی شکل اختیار کر گیا۔ حال آنکہ بہ ظاہر بالکل واضح اور یقینی طور پر معلوم ومسلّم ہے کہ آپ نے اپنے برادرِ بزرگ امام خامس وخلیفۂ راشد سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی طرف سے امام سادس وخلیفۂ عادل و راشد سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح کا معاہدہ قبول کر کے سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی تک صبر وتحمل کا ثبوت دیا اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی زندگی میں امیر یزید کی جانشینی کی جو بیعت لے چکے تھے اُسے بھی برداشت کرتے رہے۔ لیکن سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد آپ کے تمام دینی اور سیاسی عزائم مکمل طور پر ظاہر ہو گئے اور آپ نے اپنی عقل وفراست کے مطابق کوفہ وغیرہ کے حالات کا جائزہ لے کر وہاں پر موجود اپنے حامیوں کی دعوت قبول کر لی اور یزید کے خلاف

انقلابِ حکومت وخلافت کے لیے بغیر کسی ظاہری ساز وسامان کے محض اہل کوفہ کی یقین دہانیوں پر اعتبار کر کے مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ اور وہاں سے کوفہ کے لیے مع اہل وعیال واعزّہ واقارب رختِ سفر باندھ لیا۔لیکن صد افسوس کہ حالات ان کے اندازہ وخیالات اور عزائم ومقاصد کے بالکل برعکس پلٹا کھا گئے اور آپ نہایت بے کسی وبے چارگی کی حالت میں انتہائی بے جگری سے دشمنوں کا مقابلہ کرتے ہوئے جان کی بازی لگا کر جنت کو سدھار گئے۔فَاِ نَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنُ

اس حادثہ کے پس منظر اور حقیقی اسباب ومحرّکات کے متعلق شروع سے جو دو ذہنی پیدا ہو گئی تھی۔اس نے بعد میں صدیوں تک بڑی شدت سے تاریخ پر اثر ڈالا' جو روایات کے اختلاف کے باعث اب تک سیرت وتاریخ کے ہر طالب علم کے لیے زبردست فکری خلجان اور ایسے حادثہ کے تجزیہ کے وقت سخت پریشانی کا موجب بنا رہتا ہے۔چنانچہ عالم اسلام کی معروف ترین اور جلیل القدر شخصیت، حجۃ الاسلام امام ''محمد غزالی'' رحمۃ اللہ علیہ سے امیر یزید کے اسلام واعمال اور قتلِ حسین رضی اللہ عنہ کے سلسلہ میں یزید کی ذمہ داری اور اس کے لیے دعاء مغفرت وغیرہ جیسے اہم اور خطرناک ترین مسئلہ کے متعلق ان کے ہم زمانہ ایک شافعی فقیہ ''عماد الدین ابوالحسن الکیاھراسی''متوفی ۵۰۳ہجری نے استفہام کیا تو امام موصوف نے شہادت حسین رضی اللہ عنہ کے سلسلہ میں مشہور عوامی تصور کی تردید کرتے ہوئے حسبِ ذیل حیرت انگیز جواب دیا جو مشہور مؤرخ علّامہ ''ابن خلکان'' نے اپنی معروف کتاب''وفیاتُ الاعیان'' میں نقل کیا ہے۔امام غزالی ؒ امیر یزید کے اسلام کی تائید وتصدیق کے بعد قتلِ حسین رضی اللہ عنہ کی ذمہ داری کے سلسلہ میں فرماتے ہیں:

وَمَن زَعَمَ أَنَّ یَزِیدَاَمَرَبِقَتلِ الحُسَینِ أَورَضِیَ بِہٖ......فَیَنبَغِی أَن یُّعلَمَ بِہٖ غایَۃَالْحَمَاقَۃِ،فَاِ نَّ مَنْ قُتِلَ مِنَ الْأَکَابِرِوَالْوُزَرَآءِ والسَّلاطِینِ فی عَصرِہٖ لَواَرَادَأَن یَّعلَمَ حَقِیقَۃَ مِنَ الّذی اَمَرَبِقَتلِہٖ......وَمَنِ الّذی رَضِیَ بِہٖ......وَمَنِ الّذی کَرِھَہٗ لَمْ یَقدِرْ عَلیٰ ذٰلِکَ......وَأِنْ کَانَ الّذی قَدْقُتِلَ فِی جَوَارِہٖ وَزَمَانِہٖ وَھُوَیُشَاھِدُ،فَکَیْفَ لَو کَانَ فِی بَلَدٍ بَعِیدٍ......وَزَمَنٍ قَدِیمٍ قَدِانْقَضیٰ......فَکَیْفَ یُعلَمُ ذٰلِکَ فِیمَااِنْقَضیٰ عَلَیہِ قَرِیبٌ مِنْ أَرْبَعِمِائَۃِ سَنَۃٍ فِی مَکَانٍ بَعِیدٍ......وَقَدْ تَطَرَّقَ التَّعَصُّبُ فِی الْوَاقِعَۃِ فَکَثُرَتْ فِیْھَا الْأَحَادِیثُ مِنَ الجَوَانِبِ فَھٰذا لاَمْرُ لَا یُعْلَمُ حَقِیْقَتُہٗ اَصلاً،وَاِذَا لَمْ یُعْرَفْ......وَجَبَ اِحْسَانُ الظَّنِّ بِکُلِّ مُسْلِمٍ(الی آخرہٖ)(وَفَیَا تُ الاعْیَان''لِأِبْنِ خلِکَان''۔ج ۱ ،ص ۴۶۵،طبع مصر)

''جو شخص یہ گمان رکھتا ہو کہ یزید نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کا حکم دیا تھا یا وہ آپ کے قتل پر راضی تھا؟ تو جاننا چاہیے کہ ایسا شخص پرلے درجہ کا احمق ہے۔حقیقت یہ ہے کہ بہت سے اکابر اور وزراء اور سلاطین جو اپنے اپنے زمانہ میں قتل

ہوئے۔ اگر کوئی شخص اس بات کی حقیقت معلوم کرنا چاہے کہ اس کے قتل کا حکم کس نے دیا تھا اور کون اس پر راضی تھا؟ اور کس نے اس فعل کو ناپسند کیا؟ تو وہ آدمی اس کی حقیقت معلوم کرنے پر ہرگز قادر نہیں ہو سکے گا اگر چہ یہ قتل اس کے پڑوس میں اور اس کے زمانہ میں اور اس کی موجودگی میں ہی کیوں نہ ہوا ہو۔ تو پھر اس واقعہ کی اصل حقیقت تک کیسے رسائی ہو سکتی ہے جو دور کے شہر میں اور قدیم زمانہ میں ہوا ہو......؟ تو پھر اس واقعۂ کربلاء کی اصل حقیقت کا کیسے پتا چل سکتا ہے؟ جس پر (امام غزالیؒ کے زمانہ تک) چار سو برس کی طویل مدّت دور دراز مقام میں گزر چکی ہو......اور پھر یہ بھی مسلّم ہو کہ اس واقعہ کے بارہ میں (روافض کی طرف سے) تعصب کا راستہ اختیار کیا گیا ہو......جس کی وجہ سے مختلف فرقہ جات کی طرف سے اس کے متعلق بہ کثرت روایات بیان کی گئی ہوں۔ اور جب حقیقت حال تعصب اور مخلوط و متفرق روایات کے باعث معلوم نہیں ہو سکتی تو پھر ہر مسلمان کے متعلق جب تک قرائن موجود ہوں تو اس کے ساتھ حسنِ ظن رکھنا واجب ہے۔''

(اداریہ ''الاحرار'' لاہور محرم ۱۴۱۸ھ مطابق اگست ۱۹۸۸ء شمارہ ۹/۱۰ جلد ۱۸)

یزید ابن معاویہؒ کے متعلق سیدنا حسینؓ کا تأثر:

ایک صاحب نے سوال کیا ہے کہ یزید سے متعلق کیا تأثر ہے؟ یزید کے متعلق میرا تو کوئی تأثر نہیں۔ البتہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ تأثر یہ ہے کہ وہ اسے مسلمان سمجھتے تھے اور فرماتے تھے: ''اگر وہ میری بات سن کر مان لے تو میں اس کی ''بیعت'' کرنے کو تیار ہوں۔'' لہٰذا میرا اپنا کوئی تأثر نہیں نہ میں نے یزید کو دیکھا' نہ اس کے پیچھے نماز پڑھی۔ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے بڑے بھائی سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سمیت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت کے بعد دمشق جا کر اس کے ساتھ نمازیں بھی پڑھیں اور اکٹھے کھانا بھی کھایا۔ یزید ان کے ہاتھ بھی دھلاتا تھا۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سامنے بیٹھے ہوتے تھے۔ پھر ۵۲ھ کے ذوالقعدہ میں قسطنطنیہ کے میدان میں قائدِ لشکر ہونے کی وجہ سے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے یزید کے پیچھے نمازیں بھی پڑھیں۔ اس غزوہ میں حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ بھی تھے اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ عبداللہ ابن عمر بھی تھے اور عبداللہ ابن زبیر بھی تھے، عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ بھی تھے اور بہت سے جلیل القدر صحابہ بھی تھے۔ ان سب نے ۵۲ھ کے معرکۂ قسطنطنیہ میں فوجی کمانڈر یزید کے پیچھے نمازیں پڑھیں اور جب اسی میدان میں میزبانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا تو شرعی ضابطہ اور مسنون عمل کے مطابق امیر جیش یزید نے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا جنازہ پڑھایا۔ تمام صحابہ سمیت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے بھی یزید کی قیادت میں شرکتِ جہاد کی طرح اس کی امامت میں نمازِ جنازہ بھی ادا کی تھی۔ بہرکیف وہ کلمہ گو تھا، مسلمان تھا۔ کریکٹر ہم نے نہیں دیکھا۔ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے اس کو یہ نہیں کہا جو لوگ کہتے ہیں' یا کچھ مولوی اور ذاکر کہتے ہیں۔ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی باتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم میں اپنے اپنے باپ کی وجہ سے اختلاف ہے۔ وہ دونوں لڑے تھے' اب ہم دونوں کی لڑائی ختم ہو سکتی ہے۔ وہ میری شرائط مان لے' مجھ سے وہ گفتگو کرلے تو اَضَعُ یَدِی فِی

یَدِہٖ میں اس کے ہاتھ میں ہاتھ دینے ''بیعت'' کرنے کو بھی تیار ہوں!'' اس وقت کوفہ کا گورنر عبید اللہ ابن زیاد تھا۔ سیدنا علی ﷺ کی ایک بیوی محترمہ ام البنین رحمتہ اللہ علیہا کے بھائی اور کربلا میں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے علم بردار، اور وفادار وفداء کار ماں سے سوتیلے بھائی جناب عباس کے حقیقی ماموں حضرت ذوالجوشن ضبائی صحابی رضی اللہ عنہ کا بیٹا شمر جو بدبختی سے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا مخالف و دشمن اور ابن زیاد کا مشیر و معاون خصوصی بنا ہوا تھا اور بعد میں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے قاتلوں میں شامل ہو کر جہنم کا خریدار بن گیا تھا۔ اس شمر کے بھڑکانے سے ابن زیاد سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی تین بہترین شرائط ماننے سے منکر ہوا۔ نفسانیت و شیطنت کی تکمیل اور اپنے حسد و بغض کی تسکین کے لیے یزید کے حقیقی منشاء اور حکم کے خلاف سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سے اپنے ہاتھ پر غیر مشروط بیعت کے مطالبہ پر اڑ گیا۔ اس نے کہا کہ میں یزید کا نمائندہ ہوں۔ اس لیے بجائے دمشق جا کر یزید سے خود معاملہ طے کرنے کے یہیں میرے ہاتھ پر بیعت کرو۔ تو اس پر جواباً سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وَاللّٰہِ! لَنْ یَّکُوْنَ ھٰذَا - اِلَّا بَعْدَ الْمَوْت ''یہ نہیں ہوسکتا' تیری یہ حیثیت نہیں ہے کہ ''لونڈی بچے اور ذلیل لوگ'' مجھ سے غلط مطالبہ کر کے غیر مشروط بیعت لیں یہ بات میرے جیتے جی اور چپ چاپ ہرگز نہیں ہوسکتی۔ ہاں! میرے مرنے اور قتل ہو جانے کے بعد تم میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے ہاتھ میں لے کر سمجھ لو کہ میں نے بیعت کر لی ہے؟ تو یہ ہوسکتا ہے۔ تم اس سے میری گفتگو کراؤ' وہ میری بات اور شروط مان لے۔ ورنہ یزید کی خاطر تمہارے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لیے ہرگز تیار نہیں ہوں۔'' اس واقعہ کا حاصل تو سارا اتنا ہی ہے باقی سب لفاظی سبائیوں رافضیوں کی عجمی ڈرامائی داستان ہے اور کچھ نہیں!

[اقتباس خطاب: جام پور ۲۴؍ رجب المرجب ۱۴۱۰ھ ۲۹؍ مئی ۱۹۸۱ء]

[مطبوعہ: ''الاحرار'' ش ۱، ۲۔ ج ۱۰، رمضان ۱۴۱۰ھ۔ اپریل ۱۹۹۰ء]

☆☆☆

ماہانہ مجلس ذکر و اصلاحی بیان
ابن امیر شریعت حضرت پیر جی
سید عطاء المہیمن بخاری دامت برکاتہم
(امیر مجلس احرار اسلام پاکستان)
4 جنوری 2009ء
اتوار بعد نماز مغرب
دفتر احرار C/69
وحدت روڈ نیو مسلم ٹاؤن لاہور
نوٹ: ہر انگریزی ماہ کی پہلی اتوار کو بعد نمازِ مغرب مجلس ذکر و اصلاحی بیان ہوتا ہے
تحریک تحفظ ختم نبوت (شعبہ تبلیغ) مجلس احرار اسلام لاہور فون: 042-5865465

شہیدِ غیرت
مظلومِ کربلا
ریحانۃ النبی

سیدنا حسین ابن علی سلام اللہ علیہم

سید عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ

جماعتِ صحابہؓ .... دانائے سبل، فخر الرسل، مولائے کُل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پروردہ جماعت ہے کہ جن کا حکم، حکم الٰہی، کلام، کلام الٰہی اور عمل منتہائے ربیؐ ہے۔ مولائے کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تین لاکھ سے متجاوز قدسی صفت صحابہؓ کی جماعت گراں مایہ میں فکر ونظر اور شعور واحساس کا وہ نور منتقل کیا کہ جو قیامت تک امتِ رسول ﷺ کے لیے ہدایت اور حریت کے راستوں کو اجالتا رہے گا۔

نواسۂ رسول، جگر گوشۂ بتول، نور نظر علی المرتضیٰ، سیدنا حسین سلام اللہ ورضوانہ علیہ بھی اسی جماعتِ صحابہؓ کے فرد فرید اور لُولُوئے لالہ ہیں۔

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی ذات والا صفات میں اسوۂ رسالت کا یہی نورانی عکس نمایاں تر ہے۔ آپ کا اسوہ مقام صحابیت کی عملی تفسیر ہے۔ اور اس سے اس ارشادِ نبوی کی صداقت پر ایمان قوی ہو جاتا ہے کہ جماعت صحابہ کا ہر ہر فرد قیامت تک امت رسول کے لیے ذریعہ ہدایت ہے۔ وہ سب آسمان نبوت کے روشن ستارے ہیں۔ وہ سب مومنین کاملین ہیں۔ صحابہ کے ایمان کی گواہی خود اللہ نے کلام اللہ میں دی۔ منافقت اور ایمان کی راہیں متضاد اور جدا جدا ہیں۔ بعض لوگ منافقت کا روپ دھار کر صحابہ کی جماعت میں داخل ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ان کی منافقت واضح کر دی۔ حضور نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن منافقین کا نام لے لے کر انہیں اپنی جماعت سے باہر نکال دیا تھا۔ اس فیصلہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی صحابی رسول کے ایمان میں شک کا اظہار بجائے خود منافقت ہے۔

سیدنا حسینؓ ....! صالح، زاہد، عابد، باکمال، منکسر المزاج، متواضع، شب زندہ دار، تہجد میں اللہ سے گفتگو کرنے والے، اپنے رب کے حضور عجز کا اظہار کر کے طویل سجدے کرنے والے اور قیام طویل میں ایک یا دو پارہ نہیں سورۃ بقرا ایک رکعت میں پڑھنے والے تھے۔ جنہوں نے بچپن میں نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے پیار کی بہاروں کو لوٹا ہے۔ آپ کی گود میں کھیلے ہیں اور وہ ریحانۃ النبی ہیں...... حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا.......

''یا اللہ! جو حسینؓ سے محبت کرے، میں اس سے محبت کرتا ہوں، جو حسینؓ سے بغض رکھے تو بھی اس سے بغض رکھ۔''

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو نبی ﷺ کی معیت جسدی اور معیّتِ زمانی حاصل ہے۔ آپ براہِ راست فیضانِ رسول حاصل کرنے کے شرف سے مشرف ہیں۔ آپ کا یہ مقام ومرتبہ اور اجلال واکرام ہی ہماری محبتوں کا مرکز ومحور ہے۔

سیدنا حسینؓ کا واقعہ شہادت، منافقین عجم کے سازشی فکر وفلسفہ کا شاخسانہ ہے۔ شہادت حسینؓ سے دین کی روح

عمل سمجھ میں آ جاتی ہے اور غیرت وحمیت اپنے اوج کمال پر نظر آتی ہے۔ سیدنا حسینؓ نے جہاں غیرت ایمانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے خلعتِ شہادت زیب تن کی، وہاں انھوں نے منافقین عجم کے اس گروہ خبیث کو بھی ہمیشہ کیلئے رسوا کر دیا جو ان کے ناناﷺ کے دین کے درپے آزار ہو کر خلافتِ عثمانی پر مہلک وار کر چکا تھا۔

حادثہ کربلا کے پس منظر میں یہودیوں، سبائیوں اور مجوسیوں کی منافقانہ سازشیں کارفرما تھیں۔ خیبر کی شکست، جزیرۃ العرب سے انخلاء اور اپنے اقتدار کے چکنا چور ہونے کے بعد یہودیوں نے امتِ مسلمہ میں انتشار وافتراق کی گہری سازشیں شروع کر دی تھیں اور وہ اسلامی حکومت کے استحکام اور تیزی سے بڑھتی ہوئی فتوحات سے خوفزدہ ہو کر انتقام پر اتر آئے تھے۔ ادھر عجمی مجوسیوں کو اقتدارِ کسریٰ کے ملیامیٹ ہو جانے کے کبھی نہ مندمل ہونے والے زخم چاٹنے کی مصروفیت تھی، انہی دو نمایاں عناصر کو ایک حسبی نسبی یہودی مسٹر عبداللہ ابن سباء جیسا شر دماغ سازشی میسر آیا جس نے شہید مظلوم سیدنا حسینؓ کی شہادت تک مرکزی کردار ادا کیا۔

۶۰ ھ میں جب امیر المؤمنین سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا سانحہ ارتحال پیش آیا تو کوفہ کے کچھ منافقوں نے سیدنا حسینؓ کو خط لکھا کہ ''حسینؓ! تجھ کو مبارک ہو معاویہ مر گیا!'' سازش اور فساد کا آغاز یہیں سے ہوتا ہے۔ کوفیوں نے سیدنا حسینؓ کو خطوط لکھے، خلافت پر متمکن ہونے کی دعوت دی اور کہا کہ ہمارا کوئی امام نہیں، میدان خالی ہے۔ پھل پک چکا ہے، آیئے! ہم آپ کو امام مانتے ہیں۔ تاریخ کی روایات میں ہے کہ سیدنا حسینؓ کو بارہ ہزار خطوط لکھے گئے۔ آپ نے حالات کا جائزہ لینے کے لیے اپنے چچازاد بھائی حضرت مسلم بن عقیل کو کوفہ بھیجا۔ پہلے ہزاروں کوفیوں نے ان کی بیعت کی پھر انہیں بے دردی کے ساتھ شہید کر دیا۔ چنانچہ جب سیدنا حسینؓ مقام ثعلبیہ پر پہنچے اور انہیں معلوم ہوا کہ مسلم بن عقیل کو شہید کر دیا گیا ہے۔ تو آپ نے جناب مسلم بن عقیل کے بیٹوں سے مشورہ کے بعد یزید سے ملاقات کا فیصلہ کر لیا۔ حضرت مسلم بن عقیل کے بیٹے بھی آپ کے ساتھ تھے اور اسی مقام سے کوفہ کی بجائے شام کا سفر شروع کیا۔ ابن زیاد اور شمر جو مسلم بن عقیل کے قتل میں براہِ راست شریک اور ملوث تھے، انھوں نے سمجھ لیا کہ اگر سیدنا حسینؓ 'یزید کے پاس پہنچ گئے تو اصل سازش عیاں ہو جائے گی اور مفاہمت ہو جائے گی۔ چنانچہ انھوں نے آپ کا راستہ روکا اور اپنے ہاتھ پر یزید کی بیعت کا مطالبہ کیا۔ سیدنا حسینؓ نے اس موقع پر ارشاد فرمایا: ''ابن زیاد کے ہاتھ پر یزید کی بیعت؟ یہ میری موت کے بعد ہی ممکن ہے''۔ سیدنا حسینؓ کا یہ فیصلہ عین حق تھا اور غیرت حسینؓ کا یہی تقاضا تھا۔ پھر میدان کربلا میں سیدنا حسینؓ نے جو تین شرائط پیش کیں، اُن پر ائمہ اہل سنت اور ائمہ اہل تشیع متفق ہیں اور دونوں طبقوں کی کتابوں میں موجود ہیں۔ جو ''تاریخ ابن کثیر''، ''تاریخ طبری'' اور شیعہ کی مشہور کتاب ''الشافی'' میں کچھ یوں مرقوم ومرتسم ہیں:

''میری تین باتوں میں سے ایک بات پسند کر لو۔ یا میں اس جگہ لوٹ جاتا ہوں جہاں سے آیا ہوں، یا تم میرے راستے سے ہٹ جاؤ اور مجھے یزید کے پاس جانے دو۔ کہ میں اپنا ہاتھ یزید کے ہاتھ پر رکھ دیتا ہوں، وہ میرا عم

زاد ہے۔ پھر وہ میرے متعلق خود اپنی رائے قائم کرلے گا۔ یا پھر مجھے مسلمانوں کی سرحدات میں سے کسی سرحد کی طرف روانہ کردو تو میں وہیں کا باشندہ بن جاؤں گا پھر جو نفع اور آرام وہاں کے لوگوں کو حاصل ہوگا، وہی مجھے بھی مل جائے گا۔ اور جو نقصان اور تکلیف وہاں کے لوگوں کو ہوگی، وہی مجھے بھی پہنچے گی (''الشافی'' ص ۷۱)

یہی وہ تین شرائط ہیں جو اہل سنت کے لیے فیصلے کا معیار ہیں۔ اصل مجرموں کی شناخت کے لیے بھی یہیں سے حقیقی بنیادیں فراہم ہوتی ہیں۔ ان شرائط کے مطالعہ کے بعد کسی قصے، کہانی اور افسانے کی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی اور حقائق کھل کر، ابھر کر اور نکھر کر سامنے آجاتے ہیں۔

جو لوگ آج آلِ رسول اور اہل بیت رسول علیہم السلام کی محبتوں کا واسطہ دے کر حق و باطل کے خانہ ساز معرکے اٹھا رہے ہیں اور فرقہ واریت کو ہوا دے رہے ہیں۔ ان کی ساری خرمستیاں' سبائی دولت، اشتری حیلوں، حکیمی تجبر اور مختاری چالوں کا مظہر کامل ہیں۔ یہود و مجوس کی ساری تگ و دو اس نکتہ پر مرتکز ہے کہ تاریخ، ادب، سیاسیات، سماجیات اور اعتقادات کے ہر ہر گوشے میں شرک اور نفاق کے سانچوں میں ڈھلے ہوئے بت کھڑے کر دیئے جائیں۔ میدان جنگ میں عبرتناک شکست اور ذلت آمیز موت سے پے در پے دوچار ہونے والے اعداءِ رسول و اعداءِ اصحاب رسول کے پاس یہی ایک انتقامی حربہ تھا جو پوری قوت سے مسلسل آزمایا گیا اور آزمانے والے وہی تھے کہ فتنہ و سازش اور شرک و نفاق جن کی فطرت وطینت، ضمیر و خمیر، سرشت و خصال اور فکر و نہاد کے اجزاءِ ترکیبی ہیں۔ جس کا دردناک مظاہرہ شہادت سیدنا عثمانؓ کی صورت میں ہو چکا تھا۔

''بندگی بوتراب'' کا نعرہ سرزمینِ عجم کو اسی لیے راس اور خوش آیا کہ یہاں صنم پرستی، شاہ پرستی، اور شخصیت پرستی مزاجوں کا حصہ ہو چکی تھی۔ جہاں بندگیٔ طاقت و دولت آئین ہائے کہنہ و نو کے متنِ واحد کا درجہ رکھتی تھی، ایسی رت میں، ایسے ماحول میں اور ایسے موسم میں خبیثانِ عجم، یہود و مجوس کے لیے سازگاری ہی سازگاری تھی۔ چنانچہ ملت ابراہیمی کی عالمگیر وحدت کو پارہ پارہ اور امت محمدیہ کی ابدی شوکت و سطوت کو مجروح و مسخ کرنے کے لئے آلِ رسول علیہم الرضوان کو ظلم وستم کا نشانہ بنایا گیا اور کربلا مقتل گاہِ آلِ رسول بنادی گئی۔ سبطِ رسول شہید کر دیئے گئے اور انہی کے نام پر ایک نیا دین گھڑا گیا، ایک نیا دھرم متعارف کرایا گیا جس کے پجاری و بیوپاری گزشتہ تیرہ سو سال سے اسلام کے صدر اوّل میں اپنی جانکاہ ہزیمتوں کا انتقام لے رہے ہیں لیکن یہ دین اسلام ہے کہ خون صحابہؓ اور اسوۂ و آثار اصحاب رسول علیہم الرضوان اس ناقابل تسخیر قلعہ کی فصیلیں ہوگئی ہیں۔ جب تک دنیا قائم ہے' سیدنا حسینؓ کا نام گونجتا رہے گا اور اسلام کی آبیاری کے لئے جان و مال قربان کرنے والوں (صحابہ کرامؓ) کا نام بھی تا ابد تابندہ رہے گا۔

حادثۂ کربلا کا تعلق عقائد سے نہیں تاریخ سے ہے۔ عقیدہ کی بنیاد قرآن وسنت ہے۔ بعض لوگوں نے تاریخ کی بنیاد پر عقیدہ گھڑ لیا ہے۔ جو یقیناً جہالت اور گمراہی ہے۔ تاریخ کی تمام کتابوں میں ہے کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے نہ تو اپنی

بیعت کا مطالبہ کیا اور نہ ہی یزید کی خلافت کو کہیں غلط کہا۔ مدینہ، مکہ اور کربلا تک کسی ایک مقام پر آپ کے کسی خطبے میں یزید کے خلاف کوئی چارج شیٹ نہیں۔ کوفہ کے سبائی منافقوں کے خطوط کی بنیاد پر آپ نے اصلاحِ احوال کے لیے سفر کا آغاز کیا۔ آپ کو سفر کوفہ سے روکنے والوں میں عبداللہ بن عباس (چچا) عبداللہ بن جعفر طیار (تایا زاد اور یزید کے سسر) عبداللہ بن عمر (بھانجا)، محمد بن علی حنفیہ (بھائی) عبداللہ بن زبیر جیسے آپ کے قریبی رشتہ دار اور عظیم لوگ تھے لیکن آپ نے اپنے فیصلہ میں تبدیلی نہ فرمائی۔ ابن زیاد اور شمر سیدنا حسین کے قتل میں براہِ راست ملوث و مجرم ہیں۔ شہادتِ حسینؓ کے بعد سیدنا زین العابدین اور سیدہ سکینہ، یزید کے گھر رہے۔ یزید نے قسم کھا کر قتل حسینؓ سے برأت کا بیان دیا اور سیدنا زین العابدین نے یزید کا بیان صفائی قبول کیا۔ یہاں تک کہ یزید نے انہیں ہدایہ اور مال اسباب دے کر محافظوں کے ساتھ اُن کی خواہش کے مطابق مدینہ منورہ روانہ کیا۔ سیدنا زین العابدین ۹۵ھ تک حیات رہے۔ انھوں نے یزید کی وفات کے بعد بھی ۳۵ سال تک اس کے خلاف ایک جملہ نہیں فرمایا۔ تب تو وہ کسی جبر کا شکار نہیں تھے۔ جبکہ ابن زیاد اور شمر بھی قتل ہو چکے تھے۔ سیدنا زین العابدین حادثۂ کربلا کے عینی شاہد ہیں اور اُن کی کوئی گواہی یزید کے خلاف نہیں۔ جبکہ مذکورہ بالا حضرات یزید کی بیعت پر قائم رہے۔

سانحہ کربلا کے سلسلے میں اہل سنت کا اجماعی موقف یہ ہے کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو ٹھیک اسی طرح دھوکہ دیا گیا جس طرح سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو دھوکہ دے کر شہید کیا گیا۔ اس سانحۂ عظیم اور حادثۂ فاجعہ کو سمجھنے اور حقیقی سازشی کرداروں سے آگاہی کے لیے شہادت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے محرکات اور اسباب و عوامل کو جانچنا اور مجرموں کو پہچاننا ضروری ہے۔ اس سازش کا مرکزی کردار یہودی النسل عبداللہ ابن سباء منافق تھا۔ اسے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے حکم پر قتل کیا گیا۔ اسی کی سبائی تحریک کے افراد نے سیدنا علی، سیدنا معاویہ اور سیدنا عمرو بن عاص پر رمضان ۴۰ھ میں بیک وقت فجر کی نماز کے وقت قاتلانہ حملہ کیا۔ سیدنا علی شہید ہوئے۔ سیدنا معاویہ زخمی ہوئے اور عمرو بن عاص بچ گئے کہ اس روز وہ مسجد میں تشریف نہ لائے۔ اُن کی جگہ خارجہ بن حذیفہ نماز پڑھا رہے تھے اور وہ شہید ہو گئے۔

سیدنا حسینؓ نے اپنے خطبہ میں خود فرمایا کہ ''میرے گروہ کے افراد نے مجھے دھوکہ دیا'' سیدنا حسین رضی اللہ عنہ، کوفی دھوکہ بازوں، منافقوں اور سبائی تحریک کی سازش کا شکار ہوئے۔ انھوں نے مکہ سے ثعلبیہ تک کا سفر اصلاحِ احوال کے لیے فرمایا۔ سازش عیاں ہونے پر ثعلبیہ سے کوفہ کی بجائے شام کا رخ اختیار کیا۔ یوں کربلا کا سفر، سفر قصاصِ مسلم بن عقیل ہے۔ کربلا میں آپ نے فرمایا: ''میں اصلاحِ احوال کے لیے آیا ہوں'' پھر تین شرائط مفاہمت کی پیشکش ہیں۔ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے اگر یزید کی بیعت نہیں کی تو یہ ان کا اجتہادی حق تھا۔ بحیثیت صحابی رسول وہ اپنے اجتہاد پر قائم رہنے یا اس سے رجوع کرنے کا حق رکھتے تھے کہ مجتہد دونوں صورتوں میں ثواب کا مستحق ہوتا ہے۔ چنانچہ مکہ، ثعلبیہ اور کربلا تینوں مقامات پر جوں جوں صورتحال آپ پر واضح ہوتی گئی، آپ کا اجتہادی موقف بھی بدلتا رہا۔ اور سازشی کردار بھی واضح ہوتے چلے گئے۔ کربلا میں یقیناً ظلم ہوا۔ اس ظلم میں ملوث سازشی ناقابل معافی ہیں اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور سیدنا زین العابدینؒ کا مؤقف برحق ہے۔

یزید پر لعنت کا مسئلہ۔ علماء احناف و دیوبند کی نظر میں

علامہ عبدالعزیز فرہاروی رامپوری حنفیؒ (م ۱۲۳۹ھ)

برصغیر کے معروف عالم ومصنف علامہ عبدالعزیز فرہاروی رامپوری حنفی یزید پر لعنت کو غلط فعل قرار دتے ہیں کہ لعن یزید سے روکنے والے اہل سنت کو خارجی قرار دینا قواعد شریعت کے منافی ہے:

لا یجوز لعن کل شخص بفعله فاحط هذا ولاتکن من الذین لایراعون قواعد الشرح ویحکمون بأن من نهی عن العن یزید فهو من الخوارج.

ترجمہ: کسی شخص کو اس کے کسی فعل کی بناء پر لعنت ملامت کرنا جائز نہیں۔ پس اس بات کو یاد رکھو اور ان لوگوں میں سے نہ ہو جو قواعد شریعت کا لحاظ نہیں کرتے اور ہر اس شخص پر خارجی ہونے کا فتویٰ لگا دیتے ہیں جو یزید کو لعن طعن کرنے سے روکتا ہے۔ (النبراس، شرح العقائد، ص ۳۳۲)

قطب العالم مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۲۳ھ/ ۱۹۰۵ء):

حدیث صحیح ہے کہ جب کوئی شخص کسی پر لعنت کرتا ہے، اگر وہ شخص قابل لعن ہے تو لعن اس پر پڑتی ہے ورنہ لعنت کرنے والے پر رجوع کرتی ہے۔ پس جب تک کسی کا کفر پر مرنا متحقق نہ ہو جائے، اس پر لعنت نہیں کرنا چاہیے کہ اپنے اوپر عود لعنت کا اندیشہ ہے۔ لہٰذا یزید کے وہ افعال ناشائستہ ہر چند موجب لعن کے ہیں، مگر جس کو محقق اخبار اور قرائن سے معلوم ہو گیا کہ وہ ان مفاسد سے راضی وخوش تھا اور ان کو مستحسن اور جائز جانتا تھا اور بدون توبہ کے مر گیا تو وہ لعن کے جواز کے قائل ہیں اور مسئلہ یوں ہی ہے۔

اور جو علماء اس میں تردد رکھتے ہیں کہ اوّل میں وہ مومن تھا۔ اس کے بعد ان افعال کا وہ مستحق تھا یا نہ تھا اور ثابت ہوا یا نہ ہوا، تحقیق نہیں ہوا۔ پس بدون تحقیق اس امر کے لعن جائز نہیں۔ لہٰذا وہ فریق علماء کا بوجہ حدیث منع لعن مسلم کے لعن سے منع کرتے ہیں اور یہ مسئلہ بھی حق ہے۔

پس جواز لعن اور عدم جواز کا مدار تاریخ پر ہے اور ہم مقلدین کو احتیاط سکوت میں ہے۔ کیونکہ اگر لعن جائز ہے تو لعن نہ کرنے میں کوئی حرج نہیں لعن، نہ فرض ہے، نہ واجب، نہ سنت محض مباح ہے اور جو وہ محل نہیں تو خود مبتلا ہونا معصیت کا اچھا نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ (رشید احمد) [مولانا رشید احمد گنگوہی، فتاویٰ رشیدیہ، کتاب ایمان اور کفر کے مسائل، ص ۳۵۰]

شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ (م ۱۳۷۷ھ/ ۱۹۵۸ء):

شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی یزید کے بارے میں فرماتے ہیں:

یزید کو متعدد معارک جہاد میں بھیجنے اور جزائر بحر ابیض اور بلاد ہائے ایشیائے کوچک کے فتح کرنے حتیٰ کہ خود استنبول (قسطنطنیہ) پر بری افواج سے حملہ کرنے وغیرہ میں آزمایا جا چکا تھا۔ تاریخ شاہد ہے کہ معارک عظیمہ میں یزید نے کارہائے نمایاں انجام دیئے تھے۔ خود یزید کے متعلق بھی تاریخی روایات مبالغہ اور آپس کے تخالف سے خالی نہیں۔
(مکتوبات شیخ الاسلام حسین احمد مدنی، جلد اوّل، ص ۲۴۲۔۲۵۲، بعد)

مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی بلند شہری (مہاجر مدنی) رحمتہ اللہ علیہ

خلیفۂ مجاز حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمتہ اللہ علیہ

بہت سے لوگ روافض سے متاثر ہو کر یزید پر لعنت کرتے ہیں۔ بھلا اہل سنت کو روافض سے متاثر ہونے کی کیا ضرورت؟ ان کو اسلامی اصول پر چلنا چاہیے۔ روافض کے مذہب کی تو بنیاد ہی اس پر ہے کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو کافر کہیں اور یزید اور اس کے لشکر پر لعنت کریں، قرآن کی تحریف کے قائل ہوں اور متعہ کیا کریں۔ اور جب اہل سنت میں پھنس جائیں تو تقیہ کے داؤ پیچ کو استعمال کر کے اپنے عقیدہ کے خلاف سب کچھ کہہ دیں۔ بھلا اہل سنت ان کی کیا ریس کر سکتے ہیں۔ اہل سنت اپنے اصول پر قائم رہیں جو کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہیں۔ ان ہی اصول میں سے یہ ہے کہ لعنت صرف اس پر کی جا سکتی ہے جس کا کفر پر مرنا یقینی ہو۔ یزید اور اس کے اعوان وانصار کا کفر پر مرنا کیسے یقینی ہو گیا جس کی وجہ سے لعنت جائز ہو جائے؟

حضرت امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں اوّل یہ سوال اٹھایا ہے کہ یزید پر لعنت جائز ہے یا نہیں؟ اس کی وجہ سے کہ وہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا قاتل ہے یا قتل کا حکم دینے والا ہے۔ پھر اس کا جواب دیا ہے کہ یزید نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کیا یا اس کا حکم دیا یہ بالکل ثابت نہیں ہے۔ لہٰذا یزید پر لعنت کرنا تو درکنار یہ کہنا بھی جائز نہیں کہ اس نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کیا یا قتل کرنے کا حکم دیا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ کسی مسلمان کو گناہِ کبیرہ کی طرف بغیر تحقیق کے منسوب کرنا جائز نہیں۔ نیز امام غزالیؒ نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ مخصوص کر کے یعنی نام لے کر افراد و اشخاص پر لعنت کرنا بڑا خطرہ ہے۔ اس سے پرہیز لازم ہے اور جس پر لعنت کرنا جائز ہو اس پر لعنت کرنے سے سکوت اختیار کرنا کوئی گناہ اور مؤاخذہ کی چیز نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص ابلیس پر لعنت نہ کرے، اس میں کوئی خطرہ نہیں۔ چہ جائیکہ دوسروں پر لعنت کرنے سے خاموشی اختیار کرنے میں کچھ حرج ہو۔ پھر فرمایا **فالاشتغال بذکر اللہ اولیٰ فان لم یکن ففی السکوت سلامۃ** یعنی خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اللہ کے ذکر میں مشغول رہنا اولیٰ اور افضل ہے۔ اگر ذکر اللہ میں مشغول نہ ہو تو پھر خاموشی میں سلامتی ہے (کیونکہ لعنت نہ کرنے میں کوئی خطرہ نہیں اور نام لے کر کسی پر لعنت کر دی تو یہ پُر خطر ہے کیونکہ وہ لعنت کا مستحق نہ ہوا تو لعنت کرنے والے پر لعنت لوٹ آئے گی۔ پھر کسی حدیث میں مستحقِ لعنت پر لعنت کرنے کا کوئی ثواب وارد

نہیں ہوا۔اس لیے لعنت کے الفاظ زبان پر لانے سے کوئی فائدہ نہیں)۔

(''زبان کی حفاظت'' مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی بلند شہری رحمۃ اللہ علیہ)

حسب الحکم: حضرتِ اقدس، حجۃ الخلف، بقیۃ السلف، برکۃ العصر، مولانا محمد زکریا کاندھلوی مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ

ناشر: ''مکتبہ خلیل'' یوسف مارکیٹ، غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور۔ص ۷۵،۶۷/ ناشر: ''دارالاشاعت'' اردو بازار کراچی۔ص ۷۲،۷۳

حضرت مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ

یزید کا شراب پینا یا زنا کرنا کسی بھی قابل اعتماد روایت سے ثابت نہیں ہے۔زنا کی روایت تو میں نے کسی بھی تاریخ میں نہیں دیکھی۔کسی نے جو شیعہ راوی ہے یزید کا شراب پینا وغیرہ بیان کیا ہے، لیکن کسی مستند روایت میں اس کا ذکر نہیں۔اگر یزید کھلم کھلا شرابی ہوتا تو حضراتِ صحابہؓ کی اتنی بڑی جماعت اس کے ساتھ قسطنطنیہ کے جہاد میں نہ جاتی۔اس دور کے حالات کو دیکھ کر ظنِ غالب یہی ہے کہ یزید کم از کم حضرت معاویہؓ کے عہد میں شراب نہیں پیتا تھا اور حدِ شرعی اس وقت قائم ہوسکتی ہے جب کہ دو گواہوں نے پیتے وقت دیکھا ہو۔ایسا کوئی واقعہ کسی شیعہ روایت میں بھی موجود نہیں ہے۔

یزید کے بارے میں صحیح بات وہی ہے جو میں لکھ چکا ہوں۔قانونِ الٰہی کو بدلنے کا کوئی ثبوت کم از کم مجھے نہیں ملا۔

یزید ایک سلطان متغلب تھا۔شرعاً اس کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ پورا کنٹرول حاصل کر چکا ہو تو اس کے خلاف خروج نہ کیا جائے گا، اور اس کا غلبہ روکنا ممکن ہو تو روکنے کی کوشش کی جائے۔حضرت حسینؓ سمجھتے تھے کہ اس کا غلبہ روکنا ممکن ہے، اس لیے وہ روانہ ہوگئے اور دوسرے حضرات صحابہؓ کا خیال تھا کہ اب اس کے غلبہ کو روکنا استطاعت میں نہیں اور اس کو روکنے کی کوشش میں زیادہ خون ریزی کا اندیشہ ہے، اس لیے وہ خود بھی خاموش رہے اور حضرت حسینؓ کو بھی اپنے ارادے سے باز آنے کا مشورہ دیا۔

''سر داد نداد دست در دستِ یزید'' کوئی نقطۂ نظر نہیں ہے۔حضرت حسینؓ شروع میں یہ سمجھتے تھے کہ سلطان متغلب کا غلبہ روکنا ممکن ہے، اس لیے روانہ ہوئے اور اہل کوفہ پر اعتماد کیا، لیکن جب عبیداللہ بن زیادہ کے لشکر سے مقابلہ ہوا تو کوفیوں کی بدعہدی کا اندازہ ہوا۔اس وقت آپ کو یقین ہوگیا کہ اہل کوفہ نے بالکل غلط تصویر پیش کی تھی۔حقیقت میں یزید کا غلبہ روکنا اب استطاعت میں نہیں ہے۔اس لیے انھوں نے یزید کے پاس جا کر بیعت تک کرنے کا ارادہ ظاہر کیا مگر عبداللہ بن زیادہ نے انھیں غیر مشروط طور پر گرفتار کرنا چاہا۔اس میں انھیں مسلم بن عقیلؓ کی طرح اپنے بے بس ہوکر شہید ہونے کا اندیشہ تھا۔اس لیے ان کے پاس مقابلہ کے سوا چارہ نہ رہا۔[فتاویٰ عثمانی، جلد اوّل، فتویٰ نمبر ۲۲/۴۰۴ الف، ص ۱۷۹، ۱۸۰]

☆☆☆

اپنی ذمہ داریوں کا احساس

ابن الحسن عباسی (مدیر ماہنامہ ''وفاق المدارس'' ملتان)

حکیم الامت، مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ سے کسی شخص نے یزید کے متعلق دریافت کیا کہ اس پر لعنت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ حضرت نے جواب دیا کہ اس شخص کے لیے جائز ہے جسے یقین ہو کہ وہ یزید سے بہتر ہو کر مرے گا۔ سائل نے کہا: یہ مرنے سے پہلے کیسے ہوسکتا ہے؟ حضرت نے فرمایا: بس مرنے کے بعد جائز ہوگا۔

حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ سے کسی نے پوچھا:

''یزید کی مغفرت ہوگی یا نہیں؟''

آپ نے جواب دیا:

''یزید سے پہلے اپنی مغفرت کی فکر کرو۔''

خطیب الہند حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمتہ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا:

''مردے سنتے ہیں یا نہیں؟''

حضرت نے سوال کو طرح دے کر ایک اہم ذمہ داری کی طرف متوجہ کرتے ہوئے فرمایا:

''بھائی! ہماری بات تو زندہ بھی نہیں سنتے تم مردوں کی بات کرتے ہو۔''

امام شافعی رحمہ اللہ سے اہل صفین کے بارے میں پوچھا گیا۔ امام نے فرمایا:

''ہمارے ہاتھ جب ان کے خون سے محفوظ رہے، ہم اپنی زبانوں کو کیوں ان میں رنگیں کریں۔''

دوسروں کو اپنے حقوق کی ادائیگی کی طرف متوجہ کرنا یا ان سے اپنے جائز حقوق کے مطالبات منوانا بلاشبہ درست ہے اور ہر ایک کو اس کا استحقاق حاصل ہے لیکن اس سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ مطالبہ کرنے والا خود اس پر نظر دوڑائے کہ کیا وہ اپنے ذمہ کے حقوق و واجبات بھی ادا کر رہا ہے؟ وہ صرف مانگنے کے بجائے کچھ دے بھی رہا ہے؟ وہ معاشرے کے بگاڑ کا حصہ بن کر، بگاڑ کی فریاد کر رہا ہے یا عضو صالح بن کر فساد کی طرف متوجہ کر رہا ہے؟

کسی مستشرق نے کہا تھا:

''مشرقی رویوں کا المیہ یہ ہے کہ ہر آدمی خود کوتاہی کے جوہڑ میں اتر کر اوروں کو احساس دلاتا ہے اور اپنے بار کو اپنے دوش پر اٹھانے کا بہت کم لوگوں کو احساس ہوتا ہے۔''

یہ رویہ شریعت کے مزاج کے برعکس ہے۔ قرآنی تعلیم تو یہ ہے:

''مومنو! تم اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچاؤ......''

اس کا حاصل یہی ہے کہ اصلاح کی فکر اور اصلاح کا آغاز خود سے کرنا چاہیے......

مغرب کی دنیوی ترقیوں کا ایک راز یہ بھی ہے کہ اس نے اسلامی تعلیم کے کئی زریں معاشرتی اصولوں کو اپنایا، اس نے فرد میں ملی اور انفرادی ذمہ داریوں کو اجاگر کیا۔ اپنے ملک وملت کے حوالے سے اس کے احساس کو زندہ کیا اور تربیت کا ایسا نظام وضع کیا جس میں ڈھل کر فرد کے اندر ملک وملت سے محبت لینے کے ساتھ ساتھ معاشرے کو کچھ دینے کی فکر، قانون کی پاسداری اور ذاتی مفاد پر قومی مفاد کو ترجیح دینے کا رویہ پروان چڑھ جاتا ہے۔

جب تک ہم اپنے اندر انفرادی اور ملی ذمہ داریوں کا احساس اجاگر نہیں کریں گے' ذاتی خواہشات کو قومی مفادات پر قربان نہیں کریں گے، ملک وملت سے حقوق مانگنے اور وصول کرنے کے ساتھ انہیں ان کے حقوق دینے کی سعی نہیں کریں گے۔

دوسروں کی اصلاح کے نعروں کے ساتھ اپنی اصلاح، اپنی کوتاہیوں کی درستگی کی فکر نہیں کریں گے۔ اس وقت تک ہمارا معاشرہ آگے بڑھ سکتا ہے اور نہ ہم قوموں کی دوڑتی ہوئی زندگی میں بحیثیت ملک وملت کوئی بلند مقام حاصل کر سکتے ہیں۔ ان احساسات کے ساتھ پوری قوم کی تربیت ہوگی تو آگے بڑھنے کی راہیں کھلیں گی۔

[مطبوعہ: ماہنامہ ''وفاق المدارس'' ملتان۔ جمادی الاوّل ۱۴۲۶ھ۔ جون ۲۰۰۵ء]

☆☆☆

الغازی مشینری سٹور

ہمہ قسم چائنہ ڈیزل انجن، سپیئر پارٹس
تھوک و پرچون ارزاں نرخوں پر ہم سے طلب کریں

بلاک نمبر 9 کالج روڈ، ڈیرہ غازی خان 064-2462501

آیت الخیر مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ
(بانی جامعہ خیر المدارس، ملتان)

یزید اور مسلکِ اہل سنت والجماعت

(''خیر الفتاویٰ'' جامعہ خیر المدارس ملتان کی روشنی میں) (۱)

سوال...... یزید کو بعض کافر کہتے ہیں بعض فاسق و فاجر۔ صحیح رائے کیا ہے؟

جواب...... یزید کے بارے میں مختلف باتیں کہی گئی ہیں لیکن اس کے کفر پر کوئی صحیح دلیل موجود نہیں۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کا حکم یزید نے دیا تھا یا نہیں......؟ آپ کی شہادت سے اس کو خوشی ہوئی تھی یا رنج......؟

اس کے بارے میں دونوں قسم کی روایات ملتی ہیں۔ حقیقت حال اللہ کو معلوم ہے۔ ہم پر لازم ہے کہ محتاط پہلو اختیار کریں۔

(خیر الفتاویٰ جلد اوّل۔ ص ۴۹۰)　　الجواب صحیح: خیر محمد عفا اللہ عنہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ　　(مہتمم جامعہ خیر المدارس)

حضرت مولانا مفتی محمد عبدالستار رحمہ اللہ
(سابق صدر مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان)

(۲)

اگر ملوکیت سے مراد ولی عہد بنانا ہے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ولی عہد مقرر فرمایا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے چھ حضرات کے لئے یہ معاملہ سپرد فرمایا۔ اسی طرح پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو اپنے بعد ولی عہدی سپرد فرمائی (کمافی البدایہ) لیکن حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی وفات سے یہ جگہ خالی ہوگی تو یزید کو ولی عہد مقرر کیا گیا پس یہ تو ایسی قابلِ ملامت بات نہیں۔

بادشاہی کوئی حرام چیز نہیں۔ قرآن کریم میں ہے ''**ابعث لنا ملکاً نقاتل فی سبیل اللہ**'' (سورۃ البقرۃ) ''**وجعلکم ملوکاً**'' (المائدہ) یزید کے لئے ظالم، جابر، فاسق، ملعون وغیرہ صفات کا اثبات بھی محلِ نظر ہے۔ خصوصاً حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حیات میں تو قطعاً یزید ایسا نہ تھا۔ (خیر الفتاویٰ جلد ۱، ص ۴۸۴)

بندہ مفتی عبدالستار عفا اللہ عنہ

(مفتی خیر المدارس، ملتان۔ ۱۴/۷/۱۳۹۹ھ)

حضرت مفتی محمد عبداللہ ملتانی رحمۃ اللہ علیہ
سابق صدر مفتی جامعہ خیرالمدارس، ملتان

یزید کے بارے میں عادلانہ رائے (۳)

اہلِ سنت کا طریق، راہِ اعتدال کو اختیار کرنا ہے۔ نہ تو یزید پر لعنت کی جائے نہ ہی برا بھلا کہا جائے اور نہ سب و شتم کیا جائے۔ نہ ہی یہ کوشش کی جائے کہ اسے اپنے مرتبے سے بڑھا کر خلیفۂ راشد قرار دیا جائے اور نہ ہی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو باغی کہا جائے اور نہ ان کی تنقیص کی جائے۔ جیسا کہ بعض لوگ شیعہ کے خلاف ضد میں آکر کہہ جاتے ہیں۔ سلامتی کی بات یہ ہے کہ صحابہ اور تابعین کے زمانہ میں جو اختلافات ہوئے ان کو موضوعِ بحث نہ بنایا جائے اور نہ ہی ان میں کوئی رائے زنی کی جائے۔

محمد عبداللہ غفرلہ

(خیر الفتاویٰ، جلد اوّل، ص ۱۳۵)

☆☆☆

شہیدِ ختم نبوت حضرت مولانا مفتی محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ
سابق نائب امیر عالمی مجلس تحفظِ ختم نبوت۔ پاکستان
سابق مدیر ماہنامہ ’’بینات‘‘۔ بنوری ٹاؤن، کراچی

یزید اور مسلک اہلِ سنت (۴)

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اور مفتیان شرع متین اس مسئلے میں:

۱...... کیا یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ، حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قریبی عزیز تھے یا نہیں؟

۲...... کیا یزید پر لعنت جائز ہے؟

۳...... جو امام، یزید پر لعنت بھیجنے سے منع کرتا ہو اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ جواب سے مستفید فرمائیں

بندہ فضل قیوم

جواب:

۱......یزید کی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے خاندان میں رشتہ داری تھی۔

(یزید کی اہلیہ سیدہ اُمّ محمد، سیدنا جعفر طیار کی پوتی، سیدنا عبداللہ بن جعفر کی بیٹی اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی بھتیجی تھیں)

۲......اہلِ سنت کے نزدیک یزید پر لعنت کرنا جائز نہیں۔

یہ رافضیوں کا شعار ہے، قصیدہ بدالامالی جو اہل سنت کے عقائد میں ہے اس کا شعر ہے:

ولم یلعن یزیداً بعد موتِ

سوی المکثار فی الاعزاء غال

اسکی شرح میں علامہ علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ یزید پر سلف میں سے کسی نے لعنت نہیں کی۔ سوائے رافضیوں، خارجیوں اور بعض معتزلہ کے جنہوں نے فضول گوئی میں مبالغہ سے کام لیا ہے اور اس مسئلہ پر طویل بحث کے بعد لکھتے ہیں:

”فلاشک ان السکوت اسلم، واللہ اعلم“

اس لیے اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ نہ تو یزید پر لعنت کی جائے نہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں مدح و توصیف کی جائے۔

۳......جو امام یزید پر لعنت کرنے سے منع کرتا ہے وہ اہلِ سنت کے صحیح عقیدہ پر ہے اور اس کے پیچھے نماز بلاشبہ صحیح ہے۔ جو لوگ ایسے امام کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے وہ اہل سنت کے مسلک سے ہٹے ہوئے ہیں۔ واللہ اعلم

(ماہنامہ ”بینات“ کراچی۔ شمارہ اگست ۱۹۸۱ء، ص ۶۲، ۶۳)

☆☆☆

دوسری قسط

حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ اور قادیانیت

پروفیسر خالد شبیر احمد

علمی وجاہت:

امام العصر حضرت انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے علمی و عملی کمالات میں جو چیز آپ کو گزشتہ کئی صدیوں اور آنے والی کئی صدیوں کے حوالے سے ممتاز کرتی ہے۔ وہ آپ کی جامعیت و تبحر علمی ہے۔ علوم عقلیہ و شرعیہ میں ایک بھی ایسا علم نہیں ہے جس میں آپ کو مہارتِ تامہ حاصل نہ ہو اور شاید یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ علماء متقدمین میں بھی ہر حیثیت سے ایسی جامع علوم عقلیہ و نقلیہ ہستیاں بہت ہی کم پیدا ہوئی ہیں۔

آپ سینکڑوں علماء اور فضلاء کے مجمع میں بیٹھ کر ہر ایک فن کے مسائل پر اس طرح سے گفتگو کرتے تھے کہ گویا آپ کے لیے کوئی مسئلہ سرے سے مسئلہ ہی نہیں۔ بعض اوقات تو سننے والے یہ خیال کرتے تھے کہ آپ اپنے ارادے سے کلام نہیں کر رہے بلکہ اللہ تعالیٰ خود آپ پر ہر مسئلہ واضح کرتا چلا جاتا ہے۔ ایسا تو کئی مرتبہ ہوا کہ علمائے کرام آپ سے بعض دقیق، پیچیدہ اور لاینحل مسائل کے بارے میں پوچھتے اور آپ ان کے جوابات سے علماء حضرات کو مستفیض فرماتے۔ اکثر علمائے عصر کو کسی علمی مسئلہ میں کوئی دقت پیش آتی تو وہ خود حضرت کی خدمت میں حاضر بھی ہوتے تھے اور بعض اوقات یہ سلسلہ خط کتابت کے ذریعے بھی جاری رہتا تھا۔

آپ کے حافظہ کا یہ عالم تھا کہ آپ کو کتاب کے حواشی تک ازبر ہوتے۔ حوالہ ہائے کتب صرف ایک مرتبہ پڑھنے سے آپ کے ذہن میں ہمیشہ ہمیشہ کے لے محفوظ ہو جاتے تھے اور جب بھی کسی مسئلہ پر تقریر فرماتے تو بے شمار کتابوں کے حوالے بلا تکلف آپ کے نطق مبارک پر آتے اور سننے والوں کے قلوب میں سرایت کرتے چلے جاتے۔ احادیث کے ذخائر، ان کی صحت اور عدم صحت کے بارے میں تمام بحثیں، مختلف احادیث کے مدارج و مراتب' اس طرح آپ کے ذہن میں موجود رہتے کہ جیسے کسی لائبریری میں مختلف عنوانات کی کتابیں سجا رکھی ہوں۔ طلباء آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر یوں محسوس کرتے کہ گویا وہ کسی عظیم الشان لائبریری میں بیٹھے اپنے ذوق مطالعہ کی پیاس بجھا رہے ہیں۔ طلباء کو ایسے مسائل کا جواب چند لمحوں میں مل جاتا تھا کہ جن کی تحقیق و جستجو کے لیے عمر کا ایک حصہ درکار ہوتا ہے۔ پھر ہر جواب کوئی سرسری نوعیت کا نہیں ہوتا تھا بلکہ ہر جواب میں ایسی جامعیت ہوتی کہ اس کے لیے کسی کتاب کو دیکھنے کی ضرورت ہی نہ

رہتی۔ آپ کی نظر سے مشہور و معروف کتب خانوں کی کتابیں اور قلمی نسخے گزر چکے تھے اور وہ ان کے ذہن میں اس طرح محفوظ رہتے کہ گویا آج ہی ان کا مطالعہ کیا ہو۔

یہ سطور لکھتے ہوئے مجھے ابن امیر شریعت سید ابو معاویہ ابوذر بخاری رحمۃ اللہ علیہ یاد آ گئے ہیں‘ خود فرمایا کرتے کہ ابا جان میرے لیے دعا کیا کرتے تھے کہ ’’اللہ تعالیٰ تجھے انور شاہ کی گدی پر بٹھائے‘ بیٹا جب بھی اللہ تعالیٰ سے مانگو تو اس کی حیثیت کے مطابق مانگو‘‘۔ اور پھر ہم نے دیکھا کہ اس حد تک تو یہ دعا قبول ہوئی کہ سید ابوذر بخاریؒ بھی اپنی تقریر یا گفتگو میں اپنے حافظہ کے بل بوتے پر جس وقت قرآن و حدیث اور تاریخ کی بے شمار کتابوں کے حوالے دیتے تو سننے والا حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکتا تھا۔ عربی کتابوں کی عبارتیں انہیں ازبر تھیں اور بوقت ضرورت ان کتابوں کے حوالے ان کی زبان سے نکل کر دل و دماغ کی گہرائیوں میں یوں محفوظ ہو جاتے تھے جیسے بارانِ رحمت کے قطرے سینۂ دھرتی میں جذب ہو کر شادابی و ہریالی کا باعث بن جاتے ہیں۔ ہم نے حضرت انور شاہ کشمیریؒ کو تو نہیں دیکھا لیکن ہم بھی کیا کم خوش قسمت ہیں کہ ان کی علمی وجاہت و فضیلت کا پرتو سید ابوذر بخاریؒ کی ذات اقدس میں ضرور دیکھا ہے۔ یقیناً وہ اپنے کردار و اعمال‘ اپنے مشن و موقف، اپنے علم و فضل کے حوالے سے انور شاہؒ کی گدی پر ہی فائز تھے۔

انور شاہؒ کی آخری عمر میں بیماری کا غلبہ شدید ہو گیا تھا۔ لیکن حیرانی کی بات ہے کہ اس کا اثر آپ کے حافظہ پر بالکل نہیں تھا۔ حالانکہ یہ حقیقت ہے کہ بہت سے کامل محدثین کے حافظے پر آخری عمر میں اختلاط پیدا ہوا۔

فقہ کے معاملے میں بھی آپ کو یہ تخصیص حاصل تھی کہ نہ صرف فقہ حنفی بلکہ آئمہ اربعہ کی فقہ پر بھی آپ کو عبور حاصل تھا۔ آپ اکثر ارشاد فرماتے کہ ’’میں ہر فن میں اپنی رائے رکھتا ہوں اور کسی کی تقلید نہیں کرتا لیکن فقہ میں مَیں کوئی رائے نہیں رکھتا کہ اس میں مَیں امام اعظمؒ کا مقلد ہوں‘‘۔

سید ابو معاویہ ابوذر بخاریؒ نے ایک دن میرے سامنے حضرت انور شاہ کشمیریؒ کے بارے میں ایک واقعہ بیان فرمایا کہ آپ امرتسر تشریف لائے تو علمائے شہر جس میں ہر مکتبِ فکر کے علماء شامل تھے کی ایک بھیڑ‘ آپ کا سن کر ان کے ہاں اکٹھی ہو گئی۔ آپ نے گفتگو فرمائی۔ تمام علماء آپ کے علمی مباحث سن کر حیران و ششدر رہ گئے۔ انہی علماء میں سے ایک عالم دین نے جو اہلِ حدیث تھے۔ جرأت کر کے سوال کیا کہ حضرت! اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم و فضل کی اتنی دولت عطا فرمائی ہے لیکن حیرت ہے کہ آپ اس کے باوجود مقلد ہیں۔ آپ نے جواب ارشاد فرمایا کہ مولانا میں ایسے ہی نہیں مقلد ہو گیا۔ دین کے بارے میں جب بھی کوئی نئی بات یا نیا نقطہ میرے ذہن میں آیا تو میں نے دیکھا کہ یہ بات تو پہلے ہی امام اعظمؒ فرما گئے ہیں۔ سو جیسے جیسے میرے علم اور میرے مطالعہ میں اضافہ ہوتا چلا گیا میں ویسے ویسے اور زیادہ مقلد ہوتا گیا۔

عبدالصمد صارم اپنی کتاب ''سیرت انور شاہ کشمیری'' کے صفحہ ۱۳ پر آپ کے علم و فضل کے بارے میں بیان کرتے ہوئے آپ کے حافظے کے بارے میں یوں تحریر کرتے ہیں۔

''اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو عقل و فہم عطا کی ہے تا کہ وہ اپنے خالق کو پہچانے اور حافظے اور یادداشت کی قوت اس لیے عطا کی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکامات اور دنیاوی معاملات کو اپنے دماغ میں محفوظ رکھ سکے۔ اللہ تعالیٰ نے شاہ صاحب کو غیر معمولی قوتِ حافظہ اور یادداشت سے سرفراز فرمایا تھا۔ اگر انہیں اپنے وقت کا امام زہریؒ کہا جائے تو عین مناسب ہوگا۔ امام زہریؒ کا حافظہ اتنا عمدہ تھا کہ جو بات ایک بار آپ کے کان میں پڑ جاتی وہ کسی طرح نہ بھولتی تھی۔ اس لیے وہ جب بھی مدینہ منورہ کے بازاروں سے گزرتے تو کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے مبادا بازاری خرافات ان کے دماغ پر نقش نہ ہو جائیں۔ چنانچہ شاہ صاحب نے ایک مرتبہ فرمایا کہ انھوں نے ''فتح القدیر'' کو جو آٹھ جلدوں پر مشتمل ہے چھبیس دنوں میں ختم کیا اور اب چھبیس سال گزر جانے کے باوجود پڑھنے کی ضرورت نہیں پڑی اور اب جو بھی مضمون بیان کرونگا اس میں بہت کم فرق پایا جائے گا۔ شاہ صاحب جب حدیث کا سبق دیتے تو حدیث کی کتابیں اپنے پاس رکھ لیتے اور جب کسی مسئلہ پر بحث کرتے تو زبانی حوالے کے علاوہ کتاب سے بھی حوالے دیا کرتے۔ چنانچہ دورانِ درس وہ کتاب سے حوالہ دینے کے لیے جب کتاب کھولتے تو عموماً وہی صفحہ کھلتا جس پر وہ حدیث ہوتی جس کا آپ کو حوالہ دینا ہوتا۔ اگر اصل صفحہ نہ کھلتا تو دو چار صفحے پہلے یا پھر دو چار صفحے بعد کے۔ شاہ صاحب کو چالیس پچاس ہزار عربی اشعار یاد ہوں گے۔ جب کبھی تشریح کے طور پر کوئی شعر بطور حوالہ دینا چاہتے تو پوری کی پوری نظمیں جن میں بیس بیس اور پچیس پچیس اشعار ہوتے تھے نہایت روانی سے پڑھتے جاتے تھے۔ جب کسی کو چھان بین کے باوجود کوئی چیز نہ ملتی یا کوئی مسئلہ سمجھ نہ آتا تو شاہ صاحب سے رجوع کرتا اور شاہ صاحب منٹوں میں ان کی مشکلات دور کر دیتے۔ چنانچہ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کو ''فوائد التنزیل'' لکھتے وقت حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق صحیح روایات چھان بین اور کاوش کے باوجود نہ مل سکیں۔ جب انہیں ہر طرف سے مایوسی ہوئی تو وہ شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ شاہ صاحب ان دنوں کچھ علیل تھے۔ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے شاہ صاحب کو اپنی الجھن بتائی۔ شاہ صاحب نے فرمایا۔ مستدرک میں حاکم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے ایک روایت نقل کی ہے۔ اس کا مطالعہ کیجئے ان شاءاللہ تمام الجھن دور ہو جائے گی۔ چنانچہ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے مستدرک کا مطالعہ کیا اور اپنا مقصود پا لیا۔''

علامہ انور شاہ کشمیری اپنے ہم عصروں کی نظر میں:

شاہ صاحب کو اللہ تعالیٰ نے وہ علم و فضل عطا فرمایا تھا جو بہت ہی کم لوگوں کو عطا ہوتا ہے۔ شاہ صاحب کے مجتہد

عصر اور امامِ فن ہونے کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہوسکتا ہے کہ شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ جیسی ہستی کے جانشین اوّل اور دارالعلوم دیوبند کے مدرس اوّل تھے۔ آپ نے شیخ الہند اور قطبِ دوراں مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے حدیثِ نبوی کی سندات حاصل کیں۔ زیارتِ حرمین شریفین کے دوران آپ دنیا کے دوسرے علماء وفضلاء سے ملے۔ انھوں نے آپ کے تبحر علمی وہمہ دانی کو سراہا اور سندات عطا کیں۔ جناب شیخ الہندؒ بھی آپ کی علمی بصیرت سے بخوبی واقف تھے اور صدقِ دل سے چاہتے تھے کہ آپ دیوبند سے وابستہ ہوجائیں۔ چنانچہ مولانا حبیب الرحمٰن نے علم وفن کے اس بحرِ ذخار کو دارالعلوم کی سیرابی اور شادابی کے لیے ایسے بندھن میں جکڑا کہ بالآخر آپ وہیں کے ہورہے۔

(۱) شیخ العرب والعجم حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ:

حضرت مدنی فرماتے ہیں کہ ”میں نے ممالکِ اسلامیہ کے بہت سے علماء وفضلاء سے علمی مسائل پر گفتگو کی لیکن تبحر علمی، ہمہ دانی، وسعتِ معلومات، علومِ قرآنی واحادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور عقلی علوم یعنی فلسفہ، تاریخ، ہیئت وغیرہ میں شاہ صاحب جیسا کوئی عالم فاضل نہیں پایا نہ صرف یہ کہ شاہ صاحب کا مطالعہ وسیع وجامع تھا بلکہ ان کی نظر میں گہرائی وو سعت بھی تھی۔ قدیم وجدید علوم دونوں سے واقفیت تھی“۔

(۲) علامہ رشید رضا مصری شاگرد محمد عبدہٗؒ:

”اگر میں ہندوستان کے سفر کے دوران مولانا انور شاہ کشمیری سے ملاقات نہ کرتا تو یہ سمجھتا کہ ہندوستان کے سفر میں انھیں کچھ حاصل نہیں ہوا اور ہندوستان کا سفر میرے لیے مایوسی کے سوا کچھ نہ ہوتا۔“

(۳) علامہ موسیٰ جار اللہ روسیؒ:

اسلامی دنیا کے زبردست عالم دین علامہ موسیٰ جار اللہ روسی علمی حوالے سے بین الاقوامی شہرت کے مالک عالم دین ہیں۔ ہندوستان تشریف لائے تو دیوبند میں آپ کی ملاقات انور شاہ کاشمیری سے بھی ہوئی۔ آپ نے ان سے مل کر انتہائی مسرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا ”میں انور شاہ کو عالم اسلام کا عظیم عالم تسلیم کرتا ہوں اور ان کے تبحر علمی کا دل ودماغ کی گہرائیوں سے معترف ہوں“۔

(۴) حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ:

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی روایت کے مطابق ایک بار حضرت تھانوی نے ارشاد فرمایا: ”میرے نزدیک حقانیتِ اسلام کی دلیلوں میں سے ایک دلیل حضرت انور شاہ کاشمیری کا امتِ مسلم میں وجود بھی ہے۔ اگر دین اسلام میں کسی قسم کی کوئی کجی یا خرابی ہوتی تو آپ دین اسلام سے کنارہ کش ہوجاتے۔“

(۵) شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ :

آپ نے فرمایا: ''مجھ سے اگر مصروشام کا کوئی آدمی پوچھتا کہ کیا تم نے حافظ ابن حجر عسقلانی، شیخ تقی الدین، ابن دقیق العید اور سلطان العلماء حضرت عزیز الدین عبدالسلام کو دیکھا ہے تو میں استعارہ کر کے کہہ سکتا ہوں کہ ہاں دیکھا ہے۔ کیونکہ صرف زمانے کا تقدم وتأخر ہے۔ اگر شاہ صاحب بھی چھٹی یا ساتویں صدی میں ہوتے تو انہی خصوصیات کے حامل ہونے کی وجہ سے انہی کے مرتبے میں ہوتے اور آپ کے تذکرے بھی مدتوں کیے جاتے۔ اسی وجہ سے میں خیال کرتا ہوں کہ گویا حافظ ابنِ حجر عسقلانی، شیخ تقی الدین اور سلطان العلماء کا آج انتقال ہوا ہے''۔

(۶) شاعر مشرق ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ:

علامہ اقبالؒ حضرت شاہ صاحبؒ کی علمی بصیرت اور وسیع مطالعہ کے قائل تھے۔ وہ اکثر علمی مسائل اور مباحث میں حضرت انور شاہ صاحب کاشمیری سے استفادہ کرتے رہتے تھے۔ انھوں نے فرمایا: ''اگر پورے عالمِ اسلام میں کوئی عالم فقۂ جدید کو مرتب کرسکتا ہے تو وہ صرف انور شاہ کاشمیری کی ذاتِ گرامی ہے۔ مجھے جب بھی کسی مسئلہ (جس کا تعلق دین سے ہو یا اخلاق سے، کتب حدیث سے ہو یا کلام الٰہی سے، علم الکلام سے ہو یا فلسفہ جدید وقدیم سے) میں ابہام یا اشکال پیدا ہوا تو میں نے رہنمائی حضرت انور شاہ کاشمیری سے ہی حاصل کی۔''

(۷) حضرت مولانا اصغر حسینؒ:

''مجھے جب بھی کسی مسئلہ میں دشواری پیش آتی تو کتب خانۂ دارالعلوم دیوبند کی طرف رجوع کرتا۔ اگر کوئی چیز مل جاتی تو فبہا ورنہ انور شاہ صاحب کاشمیری سے رجوع کرتا۔ شاہ صاحب جو جواب دیتے اسے آخری اور تحقیقی پاتا اور اگر شاہ صاحب نے بھی کبھی کہہ دیا کہ میں نے کتابوں میں کبھی یہ مسئلہ نہیں دیکھا تو مجھے یقین ہو جاتا کہ اب یہ مسئلہ کہیں سے بھی نہیں ملے گا اور تحقیق کے بعد ایسا ہی ہوتا۔''

(۸) علامہ سید سلیمان ندویؒ:

آپ نے ارشاد فرمایا کہ ''انور شاہ کاشمیری کی مثال اس سمندر کی مانند ہے جس کی سطح تو اوپر سے ساکت اور ساکن ہو لیکن جس کی گہرائی میں گراں قدر گراں بہا موتی بھرے ہوئے ہوں۔''

(۹) مولانا سعید احمد اکبر آبادیؒ:

''انور شاہ کاشمیری علوم دینیہ کی چلتی پھرتی لائبریری ہیں۔''

(۱۰) امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ:

آپ نے ارشاد فرمایا: ''صحابہ کا قافلہ جا رہا تھا وقت کی قید سے انور شاہ کاشمیری پیچھے رہ گئے۔''

مضمون کا یہ حصہ اس لیے تحریر کیا گیا ہے کہ انور شاہ کاشمیریؒ کی شخصیت کو نئی نسل سے متعارف کرایا جائے کہ وہ کس معیار کی شخصیت تھے۔ آخر ایسے آدمی کا قادیانیت کے فتنے کے خلاف وسیع پیمانے پر کام اور اس فتنہ کی وجہ سے یوں بے قرار و بے چین ہو جانا جو آئندہ سطور سے واضح ہوتا ہے اس کی وجوہات دینی اور دنیاوی دونوں حوالوں سے اتنی اہم تھیں کہ قادیانیت کے محاسبے کے لیے انھیں امیر شریعت جیسی شخصیت کو منتخب کرنا پڑا اور امیر شریعت نے اس فرض کو بہ احسن طور پر نبھایا۔ جس کا ثبوت اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا کہ محاسبۂ قادیانیت جو محض تبلیغ تک محدود تھی اسے ایک تحریک میں تبدیل کر کے عالم اسلام پر واضح کر دیا کہ قادیانیت کا اسلام کے ساتھ کوئی تعلق و واسطہ نہیں اور یہ گروہ یہود و نصاریٰ کے ایما اور ان کی مالی اعانت کے بل بوتے پر عالمِ اسلام میں مسائل پیدا کرنے کے لیے برپا کیا گیا ہے۔ آئیے اب آپ کو حقائق سے آگاہ کیا جائے جن کا تعلق انور شاہ کاشمیریؒ کی طرف سے محاسبۂ قادیانیت کے ساتھ ہے۔

محاسبۂ قادیانیت اور انور شاہ کاشمیریؒ:

بقول عبدالصمد صارم (سیرت انور شاہ کاشمیری) ''شاہ صاحب نے مذہب اسلام کی جو ہمہ گیر خدمت انجام دی ہے وہ اظہر من الشّمس ہے۔ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے مسلمانوں کی اصلاح اور ان کی رشد و ہدایت کے لیے ہر دور میں اپنے پاک بندوں کو بھیجا جنھوں نے انھیں برے کاموں سے بچنے اور اچھے کاموں کی طرف رغبت دینے کی تلقین کی۔ دینِ برحق سے ہٹ کر بہت سے لوگوں نے دین اسلام اور مسلمانوں کی جمعیت کو پارہ پارہ کرنا چاہا اور بعض اوقات انھیں کامیابی بھی ملی لیکن بالآخر حق، جھوٹ پر غالب آیا اور مسلمان مجموعی طور پر بھٹکنے سے بچ گئے۔ فرقہ باطنیہ جس کا بانی حسن بن صباح تھا اور خوارج نے دین اسلام کو کیا کیا نقصان نہ پہنچائے۔ بڑے بڑے علماء و فضلاء، محدثین و مفسرین امامِ فن بزرگوں کو تہہ تیغ کیا۔ ان فتنوں اور دوسرے فتنوں سے جو نقصان بحیثیت ایک قوم کے مسلمانوں کو پہنچا اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ اسی قسم کا ایک فتنہ قادیانیت کا فتنہ ہے۔ یہ فتنہ اپنی حشر سامانیوں کے ساتھ ۱۳۴۰ھ میں اٹھا اور اس نے تمام ہندوستان میں اپنا ناپاک اثر ڈالنا شروع کر دیا۔ بھولے بھالے ان پڑھ لوگوں کی نہ جب کمی تھی نہ اب کمی ہے۔ جب ہندوستان اسلامی جمہوریۂ پاکستان اور بھارت دو آزاد سلطنتوں میں بٹ چکا تو اس کے بعد بہت سے لوگ قادیانی فتنے کا شکار ہو گئے۔ اس فتنے کو انگریزی حکومت کی پشت پناہی حاصل تھی اور یہ بھی انگریزی حکومت کے اقدام کو مضبوط کرنا چاہتے تھے۔ اس فتنے کا مرکز قادیان مشرقی پنجاب میں تھا اور اب ربوہ (چناب نگر) جو سرگودھا سے پہلے واقع ہے منتقل

ہو چکا ہے۔ میں یہاں یہ بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ جاہل لوگوں کے علاوہ انگریزی پڑھے لکھے لوگ بھی جو عموماً دین اسلام سے زیادہ واقفیت نہیں رکھتے تھے اس فتنے کا شکار ہو گئے تھے۔ ہندوستان کے علاوہ اسلامی ممالک مثلاً مصر، شام، عراق وغیرہ میں بھی قادیانیوں نے اپنی سرگرمیاں شروع کر دیں۔

شاہ صاحب نے جب یہ دیکھا کہ امتِ مسلمہ ایک سخت امتحان میں مبتلا ہے جس میں اس کی تباہی کا بھی خطرہ ہے تو انھوں نے قادیانی فرقہ کے غلط عقائد کی تردید میں ایک منظّم مہم چلانے کا فیصلہ کیا۔ انور شاہ کاشمیریؒ نے اپنے تلامذہ سمیت ہندوستان میں مختلف شہروں کا دورہ کیا۔ مسلمانوں کو قادیانی فتنہ سے بچنے کی تلقین کی۔ چنانچہ آپ نے پنجاب اور سرحد کا دورہ کیا۔ قادیانی مقرروں سے مباحثے کیے۔ قادیان میں جا کر قادیانیوں کو صراطِ مستقیم دکھائی تا کہ کسی طرح یہ امت خدائے قدوس اور اس کے پاک نبی خاتم النبیین حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی نہ کرے۔ یہی نہیں بلکہ آپ نے اپنے قابلِ فخر تلامذہ کی اعانت سے مختلف رسالے تردیدِ مرزائیت میں عربی زبان میں شائع کیے اور مصر شام اور دوسرے ممالک میں ان کی مفت تقسیم کی۔ تا کہ یہ ممالک بھی قادیانی فرقہ کی ریشہ دوانیوں سے محفوظ رہ سکیں۔ ہندوستان کے مسلمانوں کو اس فتنے کی ریشہ دوانیوں سے محفوظ رکھنے کے لیے جگہ جگہ تبلیغی جلسوں کا انعقاد کیا گیا۔ رسالے اور کتابیں شائع کی گئیں۔ پیچیدہ مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔ الغرض شاہ صاحب نے اپنی علالت، بڑھاپے اور علمی مشاغل کے باوجود دن رات اس فتنے کی روک تھام میں صرف کر دیئے۔ انھوں نے ہندوستان کے دوسرے علماء وفضلاء کو اصلاح قوم کی طرف متوجہ کیا۔ چنانچہ شاہ صاحب کی وفات کے بعد ان کے شاگردوں نے اپنے استاد کے کیے ہوئے کام کو جاری رکھا اور اب بھی وہ اس ضمن میں اپنے فرائض کی ادائیگی سے غافل نہیں ہیں۔ (جاری ہے)

☆☆☆

قارئین متوجہ ہوں

قارئین کی طرف سے اکثر یہ شکایت موصول ہوتی ہے کہ ہمیں سالانہ چندہ ختم ہونے کی کوئی اطلاع نہیں ملی اور رسالہ بند کر دیا گیا ہے۔ اس شکایت کے ازالے اور قارئین کی سہولت کے لیے لفافے پر پتا کے اوپر مدت خریداری درج کر دی گئی ہے۔ قارئین سے التماس ہے کہ درج شدہ مدت کے مطابق اپنا سالانہ چندہ ارسال کر کے اگلے سال کی تجدید کرالیں۔ جن قارئین کا زرتعاون سالانہ دسمبر ۲۰۰۸ء میں ختم ہو چکا ہے، براہِ کرم اپنا سالانہ زرِتعاون ۲۰۰ روپے ارسال فرمادیں۔ (سرکولیشن منیجر)

''نقیب ختم نبوت'' کی ترسیل اور دیگر معلومات کے لیے رابطہ نمبر: 0300-7345095

بیگم چودھری افضل حق سے شرفِ ملاقات

ڈاکٹر زاہد منیر عامر

مفکر احرار، تحریک آزادی کے عظیم رہنما، چودھری افضل حقؒ کی گھریلو اور اجتماعی زندگی کے متعلق دلچسپ یادیں۔ بیگم افضل حق مرحومہ کی زبانی

یہ اواخر ۱۹۸۲ء کی بات ہے۔ جب میرا بیگم افضل حق صاحبہ سے رابطہ ہوا۔ اوّل اوّل ان سے رسمی نوعیت کی ملاقاتیں رہیں۔ لیکن جلد ہی مرحومہ کی طبعی شفقت کے دروازے مجھ پر کھلتے چلے گئے۔ ان دنوں میں اپنی کتاب سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور پاکستان کے ضمن میں لاہور اکثر جایا کرتا تھا۔ جب بھی لاہور جاتا بیگم افضل حق صاحبہ سے ضرور ملاقات ہوتی اور ہر ملاقات میں ان سے میں چودھری افضل حق مرحوم کے متعلق مختلف استفسارات کرتا جن کے جواب وہ کمال یاداشت کے ساتھ دیا کرتیں۔ مختلف لوگوں سے قومی اور تاریخی موضوعات پر ہونے والی گفتگو کو نوٹ کر لینا ان دنوں میرا خاص مشغلہ تھا۔ چنانچہ بیگم افضل حق صاحبہ کے بیان کردہ واقعات بھی کچھ تو اپنی روزمرہ ڈائری کے طفیل اور کچھ چودھری افضل حق مرحوم پر لکھنے کے ارادہ سے نوٹ کر لیا کرتا تھا۔

ان طویل ومختصر ملاقاتوں کے علاوہ دو ایک مرتبہ میں نے ان سے باقاعدہ سوالات بھی کیے۔ ان سوالات کے جو جواب انھوں نے دیے قریب قریب وہ تمام میں نے ایک مضمون کی شکل میں مرتّب کر لیے۔ یہ غالباً مئی یا جون ۱۹۸۳ء کی بات ہے میں ان دنوں ساہیوال میں غلہ منڈی کے علاقہ میں رہتا تھا مجھے خوب یاد ہے میں بیگم افضل حق صاحبہ سے مل کر لاہور سے سیدھا ساہیوال ہی گیا تھا۔ وہاں جا کر میں نے اپنے رف مسودہ (نوٹس) کو صاف کیا اور بیگم افضل حق صاحبہ کے دیئے ہوئے جوابات کو مضمون کی شکل میں مرتّب کیا اس وقت یہ مضمون شائع کروانے کے ارادہ سے مرتب کیا گیا لیکن بعد ازاں غالباً مصروفیات یا مضمون کے نظروں سے اوجھل ہو جانے کے باعث یہ مضمون اشاعت کے لیے نہ بھیجا جا سکا۔

خدا کو جو منظور! شاید یہ انٹرویو ان کی وفات کے بعد شائع ہونے کے لیے ہی اس وقت اشاعت کے مراحل سے دور رہا، آیئے! ایک مخلص انسان کی نہایت درجہ صابرہ شاکرہ اور محترمہ رفیقۂ حیات کے آئینہ کے خیالات میں ان کی شخصیت کا عکس تلاش کیجیے

س: بیگم صاحبہ! اپنے ذاتی اور خاندانی حالات کے بارے میں کچھ بتائیں؟

ج: میرا نام حمیدہ بی بی ہے میرے والد کا نام چودھری چھجو خان تھا۔ میرے دادا زمیندار تھے اور انہیں کی زمینداری پر گھر کا نظام چلتا تھا۔ میرے والد کچھ نہ کرتے تھے جب میرے دادا کا انتقال ہوا تو ان کے بارہ برس بعد

میرے والد صاحب بھی اللہ کو پیارے ہوگئے، اس وقت لڑکیوں کی شادی چھوٹی عمر میں ہی کر دی جاتی تھی میری شادی بھی اسی رواج کے مطابق ہوئی تھی۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے چار بیٹے عطا کیے۔ بڑا بیٹا شمس الحق ساہیوال میں وکیل تھا اس کا ابھی کچھ عرصہ پہلے انتقال ہوگیا۔ اس سے چھوٹا ضیاء الحق ہے تیسرے بیٹے کا نام اظہار الحق ادیب ہے وہ پاک آرمی میں ہے اور راولپنڈی میں رہتا ہے، سب سے چھوٹا قمر الحق بادشاہ [1] ہے جو یہاں لاہور میں میرے پاس ہی ہے۔ میری دو بیٹیاں معروف اور بلقیس بھی لاہور میں ہیں ایک بیٹی نجم امریکہ گئی ہوئی ہے۔

س: قیام پاکستان سے پہلے اور بعد میں آپ کی رہائش کن کن مقامات پر رہی؟

ج: ہمارا اپنا کوئی ذاتی گھر نہیں تھا، جب سے چودھری صاحب کی سیاسی مصروفیات لاہور میں شروع ہوئیں اس وقت سے ہی ہم دفتر احرار بیرون دہلی دروازہ کی بالائی منزل پر رہتے تھے، ہمارے اپنے گھر کے معاشی حالات کچھ زیادہ بہتر نہ تھے، لیکن میرے بھائی اور والدین (چودھری صاحب کا سسرال) کا گھرانا ایک مالدار اور کھاتا پیتا گھرانہ تھا۔ ویسے تو شروع میں چودھری صاحب بھی تنگ دست نہیں تھے لیکن بعد میں جب وہ احرار کے ہوکر رہ گئے تو ہمارے معاشی حالات کمزور ہوگئے تھے۔ خیر میرے بھائی صاحب نے امرتسر میں ایک قطعہ زمین خرید کر ہمیں دیا تھا کہ اس پر جو جی میں آئے تعمیر کرلو، میں اکثر چودھری صاحب سے کہا کرتی کہ وہاں اپنا مکان بنوالیں کہ کم از کم اپنا مکان تو ہو لیکن انکی طبیعت میں بہت استغنا تھا، انھوں نے کبھی ان چیزوں کی طرف دھیان ہی نہیں دیا۔ میرے بار بار کے اصرار کا جواب مجھے یہ کہہ کر دیا کرتے تھے کہ ''جہاں رہ رہے ہیں یہ مکان نہیں؟'' تو میں خاموش ہوجاتی۔

س: قیام پاکستان کے بعد آپ کو اس سلسلہ میں کیا دشواریاں پیش آئیں؟

ج: قیام پاکستان کے بعد سب لوگ اپنے اپنے چکروں میں لگ گئے تھے، ہمارے مکان و رہائش کے لیے کسی نے کچھ نہ کیا چودھری صاحب تو ۱۹۴۴ء میں فوت ہوگئے تھے۔ اس وقت تو ہم احرار کے دفتر میں کچھ عرصہ رہے پھر عزیزوں، رشتہ داروں کے ہاں چلے گئے جب کلیم داخل ہوئے تو میرے پاس امرتسر کی اراضی کا کوئی ثبوت وغیرہ نہیں تھا۔ چودھری صاحب کے کاغذات بھی غائب ہوگئے تھے۔ ان دنوں امرتسر کے میونسپل کمشنر نے جن کا نام رضوانی صاحب تھا۔ یہاں رقعہ بھیجا کہ امرتسر میں ان کی اراضی تھی، اس کے بدلے میں پھر ہمیں یہ مکان ملا۔ میں اس میونسپل کمشنر کا یہ احسان کبھی نہیں بھول سکتی، اگر وہ رقعہ نہ بھیجتا تو ہمیں یہاں کون مکان دلواتا۔ ویسے تو سب کچھ اللہ کی طرف سے ہوتا ہے لیکن اللہ نے اُسے ذریعہ بنایا میں اس کی احسان مند ہوں۔

س: آپ نے چودھری صاحب کے کاغذات کا تذکرہ فرمایا ہے وہ کیسے گم ہوگئے تھے؟

(۱) چند برس قبل ان کا بھی انتقال ہوگیا۔

ج: چودھری صاحب کے کاغذات کی تین الماریاں بھری ہوئی تھیں، ان کے انتقال کے بعد میں اپنے بچوں کو لے کر اپنے والدین کے گھر چلی گئی جب واپس آئی تو الماریوں کے کُنڈے ٹوٹے ہوئے تھے اور الماریاں خالی تھیں حالانکہ میں تالے لگا کر گئی تھی۔

س: آپ نے کبھی عملی سیاست میں بھی حصہ لیا خواہ وقتی طور پر ہی سہی۔

ج: نہیں! میں نے کبھی عملی سیاست میں حصہ نہیں لیا نہ ہی کبھی کوئی سیاسی دلچسپی لی، بس گھر میں رہا کرتی تھی، گھر کی مصروفیات میں اتنا وقت کہاں ملتا تھا اور نہ ہی یہ ہماری خاندانی روایات کے مطابق تھا۔

س: چودھری صاحب کے اپنے عہد کے قریباً تمام سیاسی راہنماؤں کے ساتھ تعلقات تھے، ان میں سے چند نام جو بطورِ خاص آپ کے ذہن میں آتے ہوں جنھیں ہم چودھری صاحب کے خاص احباب میں شامل کر سکیں۔

ج: ویسے تو چودھری صاحب کے سب سیاسی لیڈروں کے ساتھ تعلقات تھے، علامہ عنایت اللہ مشرقی اور ڈیوس روڈ کے ڈاکٹر بشیر، چودھری صاحب کے کلاس فیلو تھے۔ غلام رسول مہر وغیرہ بھی ان کے دور میں دیال سنگھ کالج میں پڑھتے تھے لیکن چودھری صاحب کو اپنے احباب میں سب سے زیادہ محبت شاہ صاحب (سید عطاء اللہ شاہ بخاری مرحوم) سے تھی، کبھی کبھی شاہ صاحب کے باہر کا دورہ منسوخ کرا دیتے اور پھر اپنی اس ''شرارت'' پر خوش ہوتے تھے۔ ویسے ان کے سب سے زیادہ تعلقات، ہنسی مذاق وغیرہ کے علامہ حسین میر کاشمیری سے تھے، ان کے گھر والوں کے ساتھ بھی ہمارے گھرانے کے تعلقات تھے بلکہ علامہ کی بیٹیوں سے اب بھی ہمارا گہرا تعلق ہے۔

س: اس سلسلے میں اور کچھ نام جو آپ کو یاد ہوں

ج: ہمارے گھر ہندوستان کے بڑے بڑے لیڈر آتے تھے، دفتر احرار میں دو مرتبہ قائد اعظم آئے، پنڈت نہرو ہمارے گھر آئے، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی، مولانا مظہر علی اظہر اور بہت سے لیڈر آتے تھے میں تو خیر سخت پردہ کرتی تھی، ہمارے گھرانوں میں پردہ کی بہت پابندی تھی بالکل شرعی احکام کے مطابق پردہ ہوتا تھا، چودھری صاحب سے ہی سب کچھ پتہ چلتا تھا۔

س: سید عطاء اللہ شاہ بخاری مرحوم کے ساتھ چودھری صاحب کے تعلق پر کچھ ارشاد فرمائیں

ج: ہمارے گھر میں سب سے زیادہ تذکرہ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کا ہوتا اور چودھری صاحب کو بھی سب سے زیادہ انس انہی سے تھا، وہ بڑے اخلاص والے اور دوسروں کا خیال رکھنے والے انسان تھے جب بھی آتے، چودھری صاحب سے کہتے کہ میری بہن سے کہو کہ میرے لیے کوئی چیز نہ پکائے جو روکھی سوکھی موجود ہے وہ لے آؤ، چودھری صاحب اندر آکر مجھے بتاتے میں کہا کرتی کیوں! میں اپنے بھائی کے لیے تازہ کھانا تیار کروں گی۔ میں اسی وقت تازہ روٹی پکاتی اور جو کچھ مجھ سے ہو سکتا کیا کرتی تھی مجھے شاہ صاحب سے عقیدت تھی اس

لیے کہ میں ان کی تقاریر ضرور سنتی تھی۔ ویسے تو ہم عورتوں کو باہر کی دنیا کا کچھ پتا نہیں ہوتا تھا۔ لیکن جب شاہ صاحب کی تقریر ہوتی تو میں ضرور سننے جایا کرتی۔

س: اس دور میں جو کہ احرار اور چودھری صاحب کے عروج کا زمانہ تھا کیا چودھری صاحب کے علامہ اقبال کے ساتھ بھی تعلقات تھے؟

ج: میرے علم میں تو ان کے کوئی خاص تعلقات نہیں، بس کبھی کبھی ملاقات ہوتی تھی۔ وہ بھی سیاسی مسئلوں پر۔

س: آپ کی اولاد میں سے چودھری صاحب کا ذوق کسی میں پیدا ہوا؟

ج: نہیں، میرے بچوں میں کسی کو بھی چودھری صاحب والا ذوق نہیں ملا۔ ویسے اللہ کا شکر ہے سب کے سب پڑھے لکھے اور سمجھدار ہیں لیکن چودھری صاحب والے شوق کسی میں نہیں۔

س: چودھری صاحب کی زندگی کے آخری ایام کے بارے میں کچھ بتانا پسند کریں گے؟

ج: وفات سے کچھ عرصہ پہلے وہ علیل ہوگئے۔ دفتر احرار میں روزانہ ان کی عیادت کے لیے لوگ آتے تھے لیکن زیادہ تر انھیں ملنے سے روک دیا جاتا تھا۔ عام طور پر ڈاکٹر عبدالقوی لقمان اُن کا علاج کرتے تھے۔ انھوں نے چودھری صاحب کو ایک گولی نمبر ۶۹۳ دے دی۔ اس پر بعد میں ڈاکٹر یوسف اور ڈاکٹر بشیر (سابق انچارج میو ہسپتال) نے انھیں کہا کہ یہ تم نے کیا کیا؟ لیکن اس وقت پانی سر سے گزر چکا تھا۔ چودھری صاحب دمے کے مریض تو تھے ہی انھیں زکام ہوا، پھر کھانسی ہوگئی۔ آخری رات ڈاکٹر بشیر اور ڈاکٹر یوسف پوری کوشش کرتے رہے لیکن وقت مقررہ آچکا تھا۔ چودھری صاحب ۸ اور ۹ رجنوری ۱۹۴۲ء کی رات اللہ کو پیارے ہوگئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

ذیل میں چودھری افضل حق مرحوم کی اہلیہ کے وہ جوابات درج کیے جا رہے ہیں جن کا تعلق خارجی معلومات کی بجائے افضل حق کے مزاج اور ان کی مرحومہ اہلیہ کے محسوسات سے ہے۔

س: محترمہ! عام طور پر بڑے لوگوں کے ساتھ المیہ دیکھا گیا ہے کہ ان کے اہل خانہ ان کے ادبی، قومی یا سیاسی مقام سے بے خبر ہوتے ہیں یا انھیں اِن امور سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی، کیا چودھری صاحب کے ساتھ بھی ایسا معاملہ رہا؟

ج: نہیں، چودھری صاحب کے ساتھ ایسا نہیں تھا۔ میں نے تو اپنے آپ کو اس اعتبار سے ہمیشہ خوش قسمت سمجھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ان جیسے عظیم آدمی کا ساتھ عطا کیا۔ ویسے تو مختلف امور کے سلسلہ میں ان کی بڑائی کا احساس ہوتا رہتا تھا لیکن جب وہ مالی اعتبار سے بے نیازی کا مظاہرہ کرتے تھے جیسے مکان وغیرہ کی طرف سے ان کی بے نیازی تو اس سے ان کے استغنا اور اللہ تعالیٰ پر غیر متزلزل ایمان کا اندازہ ہوتا تھا۔ اللہ پر ان کا ایمان بہت مضبوط تھا۔ اسی وجہ سے وہ دنیا کی سب چیزوں کو عارضی سمجھتے تھے اور ان کاموں کو ترجیح دیتے تھے جو

آخرت کے لیے کیے جائیں۔

س: آپ کے ساتھ ایک شوہر کی حیثیت سے ان کا طرزِ عمل کیسا تھا؟

ج: اس بارے میں، میں آپ کو کیا کچھ بتاؤں۔ بس یہی کہہ سکتی ہوں کہ وہ ایک فرشتہ تھے۔ انھوں نے کبھی مجھ سے کسی گھریلو معاملے میں باز پرس نہیں کی۔ بڑا اعتماد کرتے تھے۔ کبھی نہیں پوچھا کہ تم نے یہ کیا کیا اور یہ کیوں نہ کیا بلکہ گھر کے معاملات میں انھوں نے مجھے مکمل اختیار دے رکھا تھا اور اس بارے میں مجھ سے کبھی پوچھ گچھ نہیں کرتے تھے، کبھی کبھی حساب کتاب لیتے تھے۔

س: گھر میں چودھری صاحب کا عام رویہ کیسا ہوتا تھا؟ کیا وہ گھر میں لیڈر بن کر رہتے تھے یا گھل مل جاتے تھے؟

ج: وہ گھر میں اپنی سوچوں میں گم رہتے تھے۔ ان کا مزاج درویشانہ تھا۔ انھیں اپنا زیادہ ہوش نہیں ہوتا تھا۔ بس کھوئے کھوئے سے رہتے تھے۔ حتیٰ کہ انھیں اپنے بچوں کی بھی زیادہ فکر نہیں ہوتی تھی۔ بچوں کی ذمہ داری ان کے چچا پر ڈالی ہوئی تھی۔ باقی عام نگہداشت میرے ذمے تھی۔

س: چودھری صاحب بچوں سے پیار زیادہ کرتے تھے یا کتابوں سے؟

ج: اس کے بارے میں کوئی ایک فیصلہ نہیں کر سکتی۔ گھر میں ان کی حالت تو میں نے پہلے بتا دی ہے لیکن بچوں سے پیار کرتے تھے۔ اگرچہ وہ سارا وقت کتابوں میں ہی گزارتے تھے۔ کبھی پڑھ رہے ہیں کبھی لکھ رہے ہیں۔ جب لکھتے لکھتے تھک جاتے تو مجھے آواز دیتے اور خود لیٹ جاتے اور مجھے لکھواتے اور میں لکھتی رہتی۔

گھر میں ہوتے ہوئے اگرچہ بچوں کی طرف ان کا زیادہ دھیان نہیں ہوتا تھا، لیکن پھر بھی بچوں پر ان کا رعب تھا۔ بچوں کے متعلق ان کا سب سے بڑا اصول یا حکم جو تھا وہ یہ کہ جھوٹ نہ بولیں، جھوٹ سے انھیں نفرت تھی۔ اتنی نفرت کرتے تھے کہ اس قدر نفرت کسی چیز سے نہ تھی، غلطی معاف کر دیتے تھے لیکن جھوٹ کو کبھی معاف نہیں کرتے تھے۔ ہمیشہ اس کی سخت سزا دیا کرتے اور باہر بھی جھوٹے آدمی پر کبھی اعتماد نہیں کرتے تھے۔

س: جب چودھری صاحب کی کوئی نئی کتاب شائع ہو کر گھر آتی تھی تو اس وقت ان کا کیا طرزِ عمل ہوتا تھا آیا وہ افرادِ خانہ کو دکھاتے تھے یا خاموشی سے ایک گوشے میں رکھ دیتے تھے۔

ج: بچے تو ان کی زندگی میں بہت چھوٹے تھے، بچوں کے علاوہ گھر میں مَیں ہی تھی، میں کتاب چھپنے سے پہلے ہی پڑھ لیا کرتی تھی جب وہ لکھتے لکھتے تھک جاتے تو مجھے بلا کر خود بولتے اور میں لکھتی تھی اس طرح شائع ہونے سے پہلے ان کی اکثر کتابیں میں پڑھ چکی ہوتی تھی۔ اس لیے جب کوئی نئی کتاب شائع ہوتی تو لا کر چپ چاپ ایک طرف رکھ دیتے تھے۔

س: چودھری صاحب کی تحریر کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

ج: ان کی تحریر بہت بااندازتھی بڑی محبت اور توجہ سے لکھتے تھے اگر چہ ان کی تعلیم تو ایف اے تک تھی لیکن ان کی تحریر ان کی تعلیم سے بہت بلند تھی اب ''زندگی'' ہے یہ انھوں نے گورکھ پور جیل میں لکھی تھی۔ اس کتاب پر انھیں سر شہاب الدین نے جو اس وقت کونسل کے صدر تھے دو ہزار روپے انعام دیا تھا اور مولوی ظفر علی خان نے اس پر نظم کہی تھی جس کا ایک شعر مجھے یاد ہے:

جب سے افضل حق نے لکھی ہے کتابِ ''زندگی''

ہر ذی بصیرت پر کھلا ہے اب معمائے حیات

س: چودھری صاحب کے علاوہ بھی خاندان کا کوئی فرد تحریر و تقریر سے دلچسپی رکھتا تھا؟

ج: ہمارا خاندان کیونکہ بنیادی طور پر زمینداروں کا خاندان تھا اس لیے اس میدان میں چودھری صاحب اکیلے ہی تھے۔

س: چودھری صاحب کی کوئی خاص ادا جو آپ نے بطورِ خاص مشاہدہ کی ہو؟

ج: ان کی خاص ادا سجدہ کرنے کا شوق تھا۔ نماز کے پابند تھے اور اکثر تلاوتِ قرآن بھی کیا کرتے تھے، سجدہ کرنے کا شوق انہیں عشق کی حد تک تھا کہیں کچھ کر رہے ہوتے یا لکھ رہے ہوتے جونہی کوئی خیال آتا اپنے اللہ کے حضور سجدہ ریز ہو جاتے تھے اور اس میں کسی جائے نماز یا خاص جگہ کی پابندی بھی نہیں تھی اگر جائے نماز سامنے ہو تو اس پر نہیں تو کسی کاغذ پر کپڑے پر جو چیز سامنے آئی اس پر سجدہ ریز ہو جاتے اور پھر اٹھ کر اپنے کام میں مشغول ہو جاتے تھے۔ یہ ان کی ایک عجیب ادا تھی۔

س: جب چودھری صاحب سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر سب سے رخصت ہو گئے تو اس وقت ان کی اہلیہ کی حیثیت سے آپ کے کیا تأثرات تھے؟

ج: کیا تأثرات ہو سکتے تھے، خدا کے بعد ہمارا ملجا و ماوا انہی کی ذات تھی۔ پھر وہ ایسے حالات میں رخصت ہوئے کہ گھر میں نہ کوئی دولت تھی نہ سرمایہ، نہ جائداد نہ مکان۔ اولاد بھی چھوٹی چھوٹی تھی پھر خود بھی ہمیں چھوڑ گئے۔ ان کے انتقال کے وقت ہماری کل جائداد یا ان کا ترکہ پندرہ روپے تھا (یہ باتیں کرتے ہوئے چودھری صاحب کی اہلیہ محترمہ کی آواز بھرّا گئی اور ان کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔)

س: آج کل کے بچوں کو کیا نصیحت کریں گی؟

ج: محنت کرو، سچ بولو، جھوٹ سے بچو۔ چودھری صاحب بھی جھوٹ سے شدید نفرت کرتے تھے اور صفائی کو پسند کرتے تھے۔ اگر جھوٹ سے بچا جائے تو انسان ضرور کامیاب ہوتا ہے۔

(ماہنامہ ''صوت الاسلام'' فیصل آباد۔ فروری ۱۹۸۹ء)

عبداللطیف ابوشامل

بھٹو، شورش کاشمیری اور تحریک ختم نبوت

کہ ہم سے لوگ دوبارہ ملا نہیں کرتے

یہ ۱۹۹۶ء کی بات ہے۔ میں اپنے تعلیمی سلسلے کے آخری مرحلے میں دارالعلوم کبیر والا سے جامعہ اشرفیہ لاہور منتقل ہوا تو ''المسعود'' کی ادارت کی ذمہ داری کے سلسلہ میں اُن دنوں پرانے اخباری ریکارڈ سے نئی باتیں تلاش کیا کرتا تھا۔ تاکہ ''المسعود'' کے لیے بہتر مضامین تلاش کرسکوں۔ ایک دوست کے ذریعے قائداعظم لائبریری باغِ جناح میں داخلے کا اجازت نامہ حاصل ہوا۔ ''امروز'' اور ''مساوات'' کے پرانے فائل دیکھ رہا تھا کہ بھٹو صاحب کا ایک انٹرویو نظر سے گزرا۔ اخبار یاد نہیں۔ ''امروز'' تھا یا ''مساوات''۔ جواب میں بھٹو صاحب نے درج ذیل واقعہ سنایا اور شورش کاشمیری کا نام لیا۔ درج ذیل اقتباس اور بھٹو صاحب کے اس انٹرویو میں فرق صرف اتنا تھا کہ وہاں انھوں نے مولانا تاج محمود مرحوم کی جگہ مولانا غلام غوث ہزاروی (مرحوم) کا نام لیا تھا کہ شورش صاحب کے ساتھ اس ملاقات میں وہ اُن کے ہمراہ تھے۔ ان شاء اللہ عن قریب میں یہ انٹرویو اور اُس کا حوالہ تازہ کردوں گا۔ مولانا تاج محمود (مرحوم) کی بھی شورش صاحب سے بہت دوستی تھی۔ وہ بھی ہوسکتے ہیں جیسا کہ جلیس سلاسل نے اپنی کتاب میں لکھا ہے۔ نیز دونوں بزرگ ہمارے لیے قابل احترام ہیں۔ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے، دینی حلقوں میں یہ حوالہ پہلی دفعہ چھپ رہا ہے۔ اس سے پہلے جو چھپا وہ کرنل رفیع الدین کے حوالے سے ہی چھپا۔ آپ پڑھیے اور اپنا ایمان تازہ کیجیے۔ جن لوگوں کا جلیس سلاسل نے تذکرہ کیا ہے وہ تینوں یا چاروں اپنے رب کے پاس پہنچ چکے ہیں اور یقیناً اس کارِخیر میں اپنی شاندار خدمات پر اللہ سے انعام پا رہے ہوں گے۔

آج جبکہ قادیانی سازشیں منصوبہ بندیاں عروج پر ہیں۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ دور دور تک ہمیں مولانا تاج محمود، حضرت ہزاروی اور شورش کاشمیری جیسا سچا اور بہادر عاشقِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نظر نہیں آ رہا جو بھٹو صاحب کے سیاسی وارثوں کو شورش کی طرح یہ باور کراسکے اور قائل کرے کہ ''قادیانیت اسلام اور پاکستان کی سب سے بڑی دشمن ہے۔'' اسے اگر طے شدہ قانون کی زنجیروں میں نہ جکڑا گیا تو مذہب اور وطن دونوں کے متعلقین کو بھاری قیمت چکانا پڑ سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔ آمین۔ (عابد مسعود ڈوگر)

☆☆☆

اس حقیقت سے کون انکار کرسکتا ہے کہ پاکستان میں وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کے دور میں جب ناموسِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں نے ہمارے آقا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام و منصب پر حملہ کیا تو آغا شورش کاشمیری برہنہ تلوار بن کر ان پر ٹوٹا اور اس مقصد کے لیے آغا شورش کاشمیری نے قادیانی محاسبہ کمیٹی کی تشکیل دی۔ اللہ کے کرم اور آقا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مہربانی سے میں بھی قادیانی محاسبہ کمیٹی کراچی کا پہلا کنوینر مقرر ہوا۔ اور جب نشتر میڈیکل کالج ملتان کے مہمان طلبہ کی ٹرین پر قادیانی طلبہ نے ربوہ ریلوے اسٹیشن پر حملہ کیا تو ''چٹان'' ہی ان مسلمان طلبہ کا محاذ بنا۔ اس

کے بعد ''چٹان'' کے تمام صفحات پر صرف اور صرف قادیانیوں کا محاسبہ ہوتا۔ آغا شورش کی خطابت کا مقصد صرف اور صرف دشمنانِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی گردن ناپنا رہ گیا۔ یہی وجہ تھی کہ ایک روز کراچی کے جبیس ہوٹل میں سابق رکن قومی اسمبلی و پاکستان دستور کمیشن کے چیئرمین مولانا ظفر احمد انصاری آئے اور وزیراعظم بھٹو کا پیغام دیتے ہوئے آغا شورش کاشمیری سے کہا کہ آپ ملک سے باہر چلے جائیں۔ اس لیے کہ بھٹو صاحب قادیانیوں کو اقلیت قرار دینے کا فیصلہ کر چکے ہیں اور ان کا خیال ہے کہ اس کا کریڈٹ قوم آپ کو دے دے گی۔ آغا شورش نے نہ صرف اتنا کہا کہ وزیراعظم سے کہہ دیں کہ میں ملک سے باہر قطعی نہیں جاؤں گا اور اگر وہ کریڈٹ کے ہی خواہش مند ہیں تو میں اور ''چٹان'' یہ کریڈٹ ان کو ہی دے دیں گے۔ مجھے کریڈٹ سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میں خود قوم سے کہوں گا کہ اس کارنامے کا کریڈٹ بھٹو صاحب کو دے۔ میرا تو معاملہ ہی دوسرا ہے۔ عشق رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کسی کریڈٹ کا محتاج نہیں ہوتا۔ اب آپ کو ایک اہم واقعہ بتاتا ہوں جس کی گواہی یا ثبوت کے لیے ۲۹/ اکتوبر ۱۹۷۹ء کے ''چٹان'' میں ڈاکٹر محمد باقر کا مضمون صفحہ نمبر ۱۱ پر بھی ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

حال ہی میں ایک مقامی جریدے میں ایک عینی شاہد نے وثوق کے ساتھ بیان کیا ہے کہ پاکستان کے اُس وقت کے وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو قادیانیوں کے متعلق سیاسی فیصلے کرنے میں کچھ متامل تھے۔ یہ ۱۹۷۴ء کے وسط کی بات ہے۔

نیشنل کمیشن آن ہسٹاریکل اینڈ کلچرل ریسرچ سے یہ استفسار کیا تھا کہ بھارت میں مسلمانوں کے دورِ حکومت میں اقلیتوں کو کیا مراعات حاصل تھیں۔ راقم اُن دنوں کمیشن کا رکن تھا اور مشیر تھا اور جب یہ فائل میرے پاس پہنچی تو میں نے اس پر لکھا کہ یہ سوال ہی غلط ہے۔ متحدہ بھارت میں مسلمان تو خود بھی ابھی تک اقلیت میں ہیں۔ اس لیے اپنے عہدِ اقتدار میں وہ صرف غیر مسلموں کو مراعات دے سکتے تھے نہ کہ اقلیتوں کو۔ بھٹو اس جواب سے بہت ناراض ہوئے۔ وہ کمیشن کے کنٹرولر بھی تھے۔ خیر کہنا یہ مقصود ہے کہ اس جریدے کے بیان کے مطابق انہی دنوں آغا شورش کاشمیری نے وزیراعظم بھٹو سے طویل ملاقات کی تو ایسی اثر انگیز تقریر کی کہ بھٹو کو کہنا پڑا کہ شورش کاشمیری نے میرا دوٹوک جواب سننے کے باوجود قادیانیوں کے مذہبی معتقدات میرے سامنے اس طرح رکھے جن کے مطابق امت کا ہر فرد حتیٰ کہ خود میں اور میرے ماں باپ بھی کافر نظر آنے لگے تھے۔ مجھے قادیانیوں کی کتابیں دیکھ کر بڑا غصہ آیا...... کم از کم میں تو یہ تصور بھی نہیں کر سکتا کہ قادیانی امام حسنؓ، امام حسینؓ، علیؓ اور میرے ماں باپ کو کافر سمجھتے ہیں۔

لیکن جب میں نے اپنے غصے پر قابو پا کر شورش کاشمیری سے کہا: یہ تو درست ہے کہ قادیانی، امت کے ہر چھوٹے بڑے رکن کو کافر سمجھتے ہیں لیکن ان کے عقائد کے بارے میں کیا کر سکتا ہوں۔ یہ تو علماء کرام کا کام ہے کہ وہ لوگوں کو اپنی تبلیغ کے ذریعے ان عقائد سے تائب کریں اور جو وقت وہ تحریکیں چلانے میں صرف کرتے ہیں قادیانیوں کے خلاف تبلیغ میں صرف کریں۔ حکومت ان کی ہر طرح مدد کرنے کو تیار ہے۔

شورش کاشمیری نے میرے اس جواب کے بعد مجھ پر قادیانیوں کی جماعت کی سیاسی حیثیت واضح کی اور چار گھنٹہ کی گفتگو میں انھوں نے ثابت کیا کہ قادیانی پاکستان کے ازلی دشمن ہیں۔ وہ پاکستان میں بیٹھ کر اکھنڈ بھارت کے خواب دیکھ رہے

ہیں۔ ان کی پیشین گوئیاں اور الہامات پاکستان کے خلاف ہیں۔ وہ ربوہ میں اپنے مردے امانت کے طور پر دفن کرتے ہیں۔ انھوں نے ایک متوازی حکومت قائم کر رکھی ہے جس کی اپنی فوج، اپنی پولیس، اپنا سیکرٹریٹ اور اپنی ہی وزارتِ خارجہ و داخلہ ہے۔

شورش نے جو کچھ کہا اس پر باحوالہ دلائل دیئے۔ سب سے آخر میں اس نے بھی مفتی محمود کی طرح ایک جذباتی مطالبہ کیا۔ اس کے مطالبے کو قبول کرنے کے لیے میرے سامنے دلائل کا انبار تھا اور میں نے دل ہی دل میں یہ مسئلہ حل کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا، لیکن اس موقع پر شورش نے ایسی حرکت کی جس سے میں لرز گیا۔ اس کے ساتھ مولوی تاج محمود جوان کے ہمراہ تھے وہ بھی بڑے حیران ہوئے۔ شورش نے گفتگو کرتے ہوئے یکا یک اٹھ کر بڑے جذباتی انداز میں میرے پاؤں پکڑ لیے۔ میں نے شورش کو اس کی عظمت کا احساس دلاتے ہوئے اٹھا کر گلے سے لگا لیا۔ مگر شورش ہاتھ ملا کر پیچھے ہٹ گیا۔

> ''بھٹو صاحب! ہمارے پاس کون سی عظمت ہے۔ ایک سو سال سے اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و عظمت بحال نہیں کرا سکے۔ ہم سے زیادہ ذلیل قوم کسی ملک نے آج تک پیدا نہیں کی ہوگی۔ ہم اُسی وقت عزت و عظمت کا تاج سر پر رکھ سکتے ہیں جب قادیانیوں سے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا تاج چھین کر سید کونین صلی اللہ علیہ وسلم کو راضی کر لیں۔ پھر شورش نے روتے ہوئے میرے سامنے اپنی جھولی پھیلا کر کہا: میں آپ سے اپنے اور آپ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم المرسلینی کی بھیک مانگتا ہوں۔ آپ میری زندگی کی تمام نیکیاں اور خدمات لے لیں۔ میں خدا کے حضور خالی ہاتھ چلا جاؤں گا مگر خدا کے لیے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی حفاظت کر دیجیے۔ یہ میری جھولی نہیں۔ فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جھولی ہے جس کی جھولی پر قادیانی حملہ آور ہیں۔''

اب اس سے زیادہ مجھے سننے کی تاب نہ تھی۔ میرے بدن میں ایک جھرجھری سی آئی۔ میں بھی آخر مسلمان تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھتا تھا۔ اس موقع پر شورش نے بات چیت کا رخ جذبات کی طرف موڑ دیا تھا اور میں اپنے مسلمان ہونے کی حیثیت کے سوا سب کچھ بھول گیا تھا۔ میں نے شورش سے وعدہ کر لیا تھا کہ میں قادیانی مسئلہ ضرور بالضرور حل کروں گا۔ شورش مجھ سے وعدہ لے کر چلا گیا اور میں سوچتا رہا کہ شاید اس شخص نے مجھ پر جادو کیا ہے لیکن مجھ جیسے شخص کو قائل کرنے کے لیے ایک جذباتی ماحول پیدا کرنا صرف شورش کا کام تھا۔ میں اس شخص کی بہت قدر کرتا ہوں۔ ایسا لگتا ہے آغا شورش کاشمیری ہم لوگوں سے شکوہ سنج ہے کہ:

مٹاؤ خاک میں ہم کو مگر خیال رہے
کہ ہم سے لوگ دوبارہ ملا نہیں کرتے

[ٹیبل ٹاکس/جلیس سلاسل]

(مطبوعہ: ہفت روزہ ''فرائیڈے اسپیشل'' کراچی، شمارہ ۵۰، ۱۲ تا ۱۸ دسمبر ۲۰۰۸ء)

ایم کیو ایم----اور اسرائیلی فوج میں قادیانی

ڈاکٹر شاہد قریشی*

ایک یہودی پروفیسر آئی، ٹی ناؤمی کی کتاب ''اسرائیل اے پروفائل'' کے مطابق: ''پاکستان کی فوج میں موجود قادیانیوں کی تعداد سے زیادہ قادیانی اسرائیل کی مسلح افواج میں خدمات انجام دے رہے ہیں اور پاکستان کے چھ سو سے زیادہ احمدی اُس اسرائیلی فوج میں ملازمت کر رہے ہیں۔'' بہت سے تجزیہ نگاروں کے مطابق: ''قادیانی ہمیشہ ایک باقاعدہ سیاسی مسئلہ اور نقصِ امن کا باعث بنتے رہے ہیں؟''

ہندوستان میں کارگل جنگ کے دوران قادیانیوں نے بھاری مقدار میں چندہ جمع کر کے بھارت کو عطیہ کیا تھا۔

۱۵؍فروری ۱۹۸۷ء میں پاکستانی وزیرِ خارجہ صاحبزادہ یعقوب علی خان نے قومی اسمبلی میں انکشاف کیا تھا کہ پاکستانی مسلح افواج میں اعلیٰ عہدوں پر ۳۲۸ قادیانی افسر متمکن ہیں۔ وزیرِ خارجہ کی رپورٹ کے مطابق فوج میں ایک لیفٹیننٹ جنرل، پانچ بریگیڈیئرز اور ایئرفورس میں اسی رینک کا ایک افسر، فوج میں دس کرنل، نیوی میں دو، ایئرفورس میں تین، فوج میں ۵۶ کیپٹن، نیوی میں پانچ، ایئرفورس میں ۱۴، کل تعداد = ۳۲۸۔ اسی طرح مذکورہ یہودی مصنف کے مطابق چھ سو قادیانی اسرائیلی مسلح افواج میں ملازمت کر رہے ہیں تو اس رپورٹ کے مطابق ۲۳۸ قادیانی پاکستانی فوج میں ہیں۔

ایک اعلیٰ عہدہ پر فائز قادیانی رہنما نے مجھ سے کہا کہ ''تم کراچی میں امن قائم رکھنا چاہتے ہو تو قادیانیوں کو امن فراہم کرو۔'' سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اب بیس سال کے بعد وہ اعلیٰ [پاکستانی] قادیانی فوجی افسران کہاں ہیں اور اب وہ کون کون سے اعلیٰ مراتب پر پہنچ چکے ہیں اور پاکستانی مسلح افواج اور انٹیلی جنس ایجنسیوں میں اُن کا موجودہ مقام کیا ہے؟

ایک سینئر تجزیہ نگار نے کہا کہ ''قادیانیت کو سیاسی وجوہات کی بناء پر معرضِ وجود میں لایا گیا تھا۔ تاکہ اس سے مسلمانوں کو خصوصاً عقیدۂ جہاد کے بارے میں ذہنی انتشار میں مبتلا کیا جائے۔''

۱۹۹۵ء میں ایک قادیانی رہنما نے ولمز روڈ، مانچسٹر میں واقع ایک ریسٹورنٹ میں بیٹھ کر مجھ سے کہا تھا کہ: ''احمدیوں کو امن فراہم کرو کہ اگر تم کراچی میں امن چاہتے ہو۔'' یہ وہ دور تھا جب بے نظیر بھٹو کی حکومت، وزیرِ داخلہ نصیر اللہ بابر کی نگرانی میں کراچی میں آپریشن کلین اَپ کر رہی تھی۔

* ڈاکٹر شاہد قریشی لندن کے ایک کہنہ مشق ایوارڈ یافتہ تحقیقی صحافی ہیں۔ وہ سکیورٹی، خارجہ پالیسی اور دہشت گردی کے موضوعات پر لکھتے ہیں۔

مجھے اقوامِ متحدہ میں انسانی حقوق کی ایک کانفرنس میں شرکت کی دعوت تھی۔ اسی سلسلہ میں میرا ایک قریبی دوست اگست ۱۹۹۵ء میں مجھے الطاف حسین سے ملاقات کے لیے اُن کے لندن کے دفتر میں لے گیا۔ وہاں انھوں نے ہمیں کراچی میں اپنے (ایم کیو ایم کے) کارکنوں کے ساتھ ناروا سلوک کے مناظر پر مبنی کچھ فلمیں بھی دکھائیں۔ ''جناح پور سازش'' کے الزامات کے سلسلہ میں، میں نے الطاف حسین کو مشورہ دیا کہ آپ کوئی ایسی بات مت کہیں کہ جسے آپ شیخ مجیب الرحمٰن کے چھے نکات کی طرح واپس نہ لے سکیں۔

طارق عزیز جو مبینہ طور پر قادیانی تھا۔ وہ رحمٰن ملک (وفاقی مشیر داخلہ) کا رشتہ دار اور سابق صدر جنرل پرویز مشرف کی نیشنل سکیورٹی کونسل کا ایڈوائزر تھا۔ اب اُس کی بھارت کے ساتھ ٹریک ٹو پالیسی کے لیے خدمات حاصل کی جارہی ہیں۔ اُس کا عہدہ اور تنخواہ ایک وفاقی وزیر کے برابر ہوگا۔ اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں کہ ایم کیو ایم او رپیپلز پارٹی مبینہ طور پر ذوالفقار علی بھٹو کی ۷ رستمبر ۱۹۷۴ء کی پارلیمنٹ کی قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیے جانے والے فیصلہ کو کالعدم کرنے کے لیے پارلیمنٹ میں ایک قرارداد لانے کا منصوبہ بنارہی ہیں۔

۸ رستمبر ۲۰۰۸ء کو الطاف حسین نے کہا کہ:

> ''ایم کیو ایم کے خلاف وسیع پیمانے پر سازش کی جارہی ہے۔ جس میں لوگوں، مساجد اور امام باڑوں کو فیکس اور ای میلز بھیجی جارہی ہیں، جن میں احمدیوں اور شیعوں کے خلاف منافرت پھیلائی جارہی ہے۔ ایم کیو ایم کا تاثر خراب کرنے کے لیے غلط طور پر ایسی منظر کشی کی جارہی ہے کہ گویا ایم کیو ایم شیعوں اور احمدیوں کے خلاف ہے۔''

الطاف حسین نے ایک قادیانی رہنما مرزا طاہر احمد قادیانی کی جو کئی سال پہلے لندن میں مر گیا تھا۔ مغفرت کی دعا کی۔ حیرت کی بات ہے کہ الطاف نے اُس کے جنازے میں کیوں شرکت نہیں کی؟ اگر دوسرا قبول کرے تو خوش اخلاقی سے کسی کی بھی تعزیت کی جاسکتی ہے لیکن سر ظفر اللہ خان (سابق وزیر خارجہ) نے قائداعظم محمد علی جناح کے جنازہ میں جو ایک سنی عالم دین (علامہ شبیر احمد عثمانی) نے پڑھایا تھا، شرکت نہیں کی تھی۔ الطاف حسین نے قادیانی رہنما مرزا طاہر احمد کی مغفرت کے لیے دعا کی ہے لیکن کیا وہ اس کی تعزیت قبول کرلیں گے۔

''امپیکٹ میگزین'' لکھتا ہے کہ ۱۹۷۴ء میں قومی اسمبلی کو ایک غیر ضروری اور طویل عرصہ سے چلے آنے والے اختلاف کو ختم کرنا تھا، اس فیصلہ سے آئین کو ایک حقیقی دستوری شکل دیا جانا مقصود تھا۔ مسئلہ صرف اس وجہ سے نہیں پیدا ہوا تھا کہ راسخ العقیدہ اور انتہائی کٹر مسلمان کسی ایک گروہ کو کافر قرار دلانا چاہتے تھے بلکہ اُس کا اصل سبب قادیان کے مرزا غلام احمد کے مسیح اور پیغمبر ہونے کا وہ دعویٰ تھا۔ جس کے نتیجہ میں مرزا پر ایمان نہ لانے والوں (یعنی مسلمانوں) کو غیر مسلم قرار دیا گیا تھا۔

مسلمانوں کے ساتھ تعلقات کے متعلق قادیانی نقطۂ نظر کو دوسرے قادیانی سربراہ مرزا محمود احمد نے مختصراً اِن الفاظ میں بیان کیا ہے:

''ہماری عبادت غیر احمدیوں سے الگ ہوچکی ہے۔ ہمیں منع کر دیا گیا ہے کہ ہم اپنی بیٹیوں کے رشتے انھیں دیں اور اُن کے مرجانے والوں کے لیے دعائے مغفرت کریں تو پھر ایک دوسرے کے ساتھ مل کر کرنے کے لیے کیا کام باقی رہ جاتا ہے؟ تعلقات دو قسم کے ہوتے ہیں: ایک مذہبی اور دوسرے دنیاوی۔ آپس کی محبت کا بڑا اِظہار مشترکہ عبادت اور باہمی دنیاوی معاملات سے ہوتا ہے۔ تعلقات اور شادی خاندان کو جوڑے رکھنے کی شرائط ہوتی ہیں لیکن ہمارے لیے ان دونوں امور کو حرام کر دیا گیا ہے۔ اگر آپ یہ کہیں کہ ہمیں تو اُن کی بیٹیوں کے رشتے کرنے کی اجازت ہے تو ہمارا جواب یہ ہے کہ ہمیں تو عیسائیوں کی لڑکیوں سے بھی شادی کی اجازت ہے۔ اگر آپ یہ کہتے ہیں کہ ہم غیر احمدیوں کو سلام کیوں کرتے ہیں؟ تو میرا جواب یہ ہے کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا فرمان ہے کہ یہودیوں کو بھی سلام کرو۔ چنانچہ ہمارے مسیح موعود (مرزا غلام احمد) نے ہمیں ہر ممکنہ طریقے سے دوسرے سے الگ کر دیا ہے۔ اب کوئی ایسا تعلق باقی نہیں ہے کہ جو مسلمانوں کے ساتھ مخصوص ہو اور ہمیں اُس سے منع نہ کر دیا گیا ہو۔'' (''کلمۃ الفصل'' از مرزا محمود احمد بحوالہ ''ریویو آف ریلیجنز'')

۱۹۳۵ء میں فلسفی شاعر علامہ محمد اقبال نے انگریزوں سے قادیانیوں کو الگ امت قرار دینے کا مطالبہ کیا۔ علامہ اقبال نے کہا تھا کہ قادیانیوں نے اگرچہ مسلمانوں کے ساتھ مذہبی اور سماجی تعلقات نہ رکھنے کی پالیسی اپنائی ہے، لیکن وہ سیاسی طور پر مسلمانوں کے ساتھ رہنے کے لیے متذبذب ہیں۔ وہ مسلمانوں سے (سیاسی) علیحدگی اختیار کرنے میں پہل نہیں کریں گے، کیونکہ ۱۹۳۱ء کی مردم شماری کے مطابق اُن کی قلیل تعداد (۵۶۰۰۰) کی وجہ سے انھیں کسی بھی اسمبلی کی ایک نشست بھی حاصل نہیں ہوسکتی۔ قادیانیوں نے انگریزوں سے مطالبہ کیا ہے کہ ''پارسیوں اور عیسائیوں کی طرح اُن کے حقوق بھی تسلیم کیے جانے چاہئیں۔'' (Al Fadhi، ۱۳؍نومبر ۱۹۴۶ء)

بشیر احمد اپنی کتاب "Ahmedia Movement: British Jews Connections" میں لکھتے ہیں کہ:

''یہ معروف بات ہے کہ جب ۱۹۵۵ء میں شریف احمد قادیانی کو اسرائیل سے واپس (ربوہ) پاکستان بلالیا گیا تو جلال الدین قمر جو کہ ایک قادیانی مبلغ تھا۔ ۱۹۵۶ء سے اسرائیل میں خدمات انجام دے رہا تھا۔ تمام قادیانی مبلغین جو ۱۹۳۸ء سے اسرائیل میں متعین رہے تھے۔ مثلاً جلال دین شمس، اللہ دتہ جالندھری، رشید احمد چغتائی، نور احمد اور چودھری شریف احمد (یہ سب) اسرائیل سے آجانے کے بعد ربوہ میں رہائش پذیر تھے۔ جب وہ اسرائیل میں تھے تو اُن کے خاندانوں کے پُراسرار رَوابط استوار تھے۔''

جہاں تک یہودیوں کی اعانت وتعاون کی بات ہے تو مرزا غلام احمد قادیانی کے پوتے مرزا مبارک احمد نے اپنی کتاب "Our Foreign Missions" کے صفحہ ۷۹۔۸۰ پر اُس کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

''اسرائیل میں احمدیہ مشن حیفہ (ماؤنٹ کرمل) کے مقام پر واقع ہے اور وہاں ہماری ایک مسجد، مشن ہاؤس، لائبریری، بک ڈپو اور ایک سکول موجود ہے۔''

ایک تازہ رپورٹ کے مطابق:

''الطاف حسین کو بیرونی عناصر بشمول بھارت سے ہدایات دی جارہی ہیں کہ کراچی کے کاروباری طبقہ کی طرف سے لاکھوں ڈالر مل رہے ہیں۔ الطاف حسین کی امریکی سفارت کار روبن رافیل کے ساتھ بھی کئی ملاقاتیں ہوچکی ہیں۔''

(بحوالہ ''ملی گزٹ ڈاٹ کام'' "US Intentions in Kashmir by Ahmed Kazmi")

کے مطابق:

''الطاف حسین کا یہ بھی کہنا ہے کہ لائن آف کنٹرول کو مستقل سرحد قرار دیا جائے۔ جس سے یہ لگ رہا ہے کہ وہ کشمیر پر بھارت اور امریکہ کے مؤقف کی پیروی کر رہے ہیں۔ سرد جنگ کے دور کے بعد امریکی پالیسی ساز بڑھتی ہوئی جارحیت کے ساتھ کشمیر میں ڈکسن پلان کو بروئے کار لانا چاہتے ہیں۔ وہ منصوبہ کے مطابق اس خطے میں قدم جمانے کا حتمی ہدف حاصل کرنے کی خاطر کشمیر کو ایک بڑا آپریشن سٹیشن بنانا چاہتے ہیں۔ امریکہ کی اس خطے میں سرگرمیوں کے مطالعہ سے پہلے یہ جان لینا سود مند ہوگا کہ ڈکسن پلان کا تانا بانا کیا ہے؟ اس منصوبہ کے موجد کا نام سراُوون ڈکسن تھا جو کہ ۱۹۵۰ء میں اقوام متحدہ کا نمائندہ برائے بھارت و پاکستان تھا۔ اُس کا منصوبہ یہ تھا کہ کشمیر کو پاکستان اور ہندوستان میں تقسیم کردیا جائے۔ پنڈت جواہر لال نہرو نے بھی اس منصوبے کی حمایت کی لیکن اسے شروع نہ کیا جاسکا، کیونکہ اُس وقت کے پاکستانی وزیراعظم لیاقت علی خان نے اسے مسترد کردیا تھا۔ امریکی پالیسی سازوں نے اُسی منصوبہ کو کچھ اصلاح کے بعد حالیہ برسوں میں دوبارہ پیش کیا ہے۔ جس کے پہلے مرحلہ میں لائن آف کنٹرول کو بین الاقوامی سرحد تسلیم کو مختلف طرح سے قابل بحث بنایا جارہا ہے۔''

ایک سینئر تجزیہ نگار نے کہا ہے کہ:

''الطاف حسین کی قادیانیوں کے ساتھ حالیہ قربت محض اتفاق نہیں ہے تو وہ کیا کرنا چاہ رہا ہے؟ کراچی میں خانہ جنگی کرانا یا ملک کی معیشت کو مفلوج کرنا چاہتا ہے۔ اگر الطاف حسین یہی راستہ اختیار کرتا ہے تو حکومت پاکستان الطاف کی پاکستان کو سپردگی کے لیے برطانوی حکومت سے مطالبہ کرے اور اُس کے نام نہاد ''بین الاقوامی سیکرٹریٹ کی بندش'' اور ایم کیو ایم کے فنڈز کی جو لندن، دبئی، کینیا، ساؤتھ، افریقہ، تنزانیہ اور کینیڈا وغیرہ میں موجود ہیں۔ بین الاقوامی تحقیقات کے آغاز کا مطالبہ کرے (اور یہ کہے کہ پاکستان کے لیے) بصورتِ دیگر نیٹو اور اتحادی افواج کو محفوظ راستہ دینا، اُن کی اَسی فیصد سپلائی کو بحال رکھنا اور چالیس فیصد تیل کو کراچی پورٹ سے دیا جانا ممکن نہیں رہے گا۔ امریکہ اور اتحادی افواج کو اب دنیا کو بتادینا چاہیے کہ دراصل اُن کے افغانستان میں کیا عزائم ہیں؟'' (''لندن پوسٹ'' یکم اکتوبر ۲۰۰۸ء)

لالہ ظفر......ایک خوش گفتار دوست

شیخ حبیب الرحمٰن بٹالوی

بدھ، ۳؍ دسمبر ۲۰۰۸ء کی رات ہمارا دوست، ہمارا ساتھی لالہ ظفر بھی ہمیں داغِ مفارقت دے گیا۔ دور...... بہت دور چلا گیا۔ اُس جگہ جہاں جا کر کوئی واپس نہیں آیا۔ جہاں نہ کوئی حسین آگاہی ہے نہ جناح ٹاؤن، نہ ایم ڈی اے روڈ نہ نشتر روڈ...... جہاں صرف ایک ہی روڈ ہے جو اعمال و افعال سے شروع ہو کر جزا و سزا کے موڑ پر ختم ہو جاتا ہے۔ اور جاتے ہوئے ہمارا دوست ہمیں یہ پیغام دے گیا کہ عنقریب تم بھی میرے ساتھ آ ملو گے کہ:

یہ آدمی کا جسم کیا ہے جس پہ شیدا ہے جہاں ایک مٹی کی عمارت ایک مٹی کا مکاں
خون کا گارا بنا اور اینٹ اس میں ہڈیاں چند سانسوں پہ کھڑا ہے یہ خیالی آسماں
موت کی پُر زور آندھی جس گھڑی ٹکرائے گی دیکھ لینا یہ عمارت خاک میں مل جائے گی

ایک جنازہ جا رہا تھا۔ کسی نے ایک بزرگ سے پوچھا۔ یہ کس کا جنازہ ہے؟ بزرگ نے جواب دیا۔ اپنا سمجھ لو یا میرا کہ ایک دن لوگ اسی طرح ہمارے جنازے کو کندھا دے رہے ہوں گے۔ مساجد سے ہمارے نام کا اعلان ہو رہا ہو گا۔ دوست احباب ہمارے کفن دفن کا انتظام کر رہے ہوں گے اور:

سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا

لالہ ظفر نے اپنی ملازمت کا آغاز تعلیمی بورڈ ملتان سے کیا۔ پروفیسر عبدالعزیز بلوچ، لالہ ظفر اور راقم نے ایک عرصہ اکٹھے کام کیا۔ فارغ اوقات میں ادبی مجلسیں جمتیں۔ مذاکرے ہوتے۔ شعر و شاعری کا دور چلتا۔ پروفیسر عبدالعزیز بلوچ کی پہلی کتاب ''عزیزانِ محترم'' اسی دور کی یادگار ہے۔ پھر مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ عبدالعزیز بلوچ گورنمنٹ کالج ملتان چلے گئے اور لالہ ظفر بہاء الدین زکریا یونی ورسٹی ملتان اور پھر وہیں سے ڈپٹی رجسٹرار کے عہدے سے ریٹائر ہوئے۔

ما و مجنوں ہم سبق بودیم در دیوانِ عشق
اُو بصحرا رفت و ما در کوچہ ہا رسوا شدیم

لالہ ظفر ایک اکہرے بدن کے پھرتیلے آدمی، چائے، سگریٹ کے رسیا، کام کے دھنی، دل کے غنی، بات سے بات نکالنے اور بال کی کھال اتارنے والے۔ ٹیلی فون کرتے تو پوچھتے: ''بٹ آل وی'' صاحب ہیں؟''

ایک دفعہ گھر آئے۔ بیٹا (ادیب الرحمٰن) کسی کام کے سلسلے میں اندر آیا۔ سلام کیا۔ تو مجھ سے کہنے لگے: ''یہ آپ کا لائف بوائے (Life Bouy) ہے؟''

''داماد'' اور ''ساس'' کے بارے میں اُن کا خیال تھا کہ یہ داماد اور ساس ہی رہتے ہیں چاہے انھیں اُلٹا ہی کیوں نہ کر دیا جائے۔

زندگی کے جھمیلوں سے پریشان، ایک دن کہنے لگے:

''اس شیطان لعین کو اللہ تعالیٰ نے کھلی چھٹی دے رکھی ہے۔ ہر فکر سے آزاد کر کے ہمارے پیچھے لگا دیا ہے۔ اس مردود کی شادی کی ہوتی، اس کے دو چار بچے ہوتے، دال روٹی کے چکر میں اسے اپنی پڑی ہوتی۔ پھر دیکھتے ہمیں کیسے گمراہ کرتا ہے۔''

ایک دفعہ بات چل رہی تھی کہ عورت، عورت کو برداشت نہیں کرتی۔ ساس اور بہو، نند اور بھاوج کا جھگڑا ہے، سوتن سوتن کی دشمن ہے۔ کہنے لگے: ''ہاں! ہاں! بابا آدم جب کام کاج سے گھر واپس آتے تو اماں حوا سب سے پہلے بابا جی کی پسلیاں گنتیں کہ پوری ہیں۔ کہیں کسی اور پسلی سے میری سوتن تو پیدا نہیں ہوگئی۔''

لالہ ظفر اکثر اتوار کو محترم پروفیسر وکیل شاہ صاحب سے ملاقات کے لیے دارِ بنی ہاشم آتے۔ شاہ صاحب کی ذرہ نوازی کہ وہ راقم کو بھی یاد فرماتے۔ چائے کا دور چلتا، سگریٹ کے مرغولوں میں لالہ ظفر اپنے خیالات کا تانا بانا بُنتے۔ ہنستے ہنساتے اور ایسے ہی چلتے چلتے لفظوں کی پھلجھڑی بکھیرتے چلے جاتے۔ سننے والے سر دھنتے۔ اُن کی ذہنی اُپج کی داد دیتے۔ حیران ہوتے کہ انھیں یہ باتیں کہاں سے سوجھتی ہیں۔

قارئین کی ضیافتِ طبع کے لیے اُن کی طرف سے کیا گیا انگریزی الفاظ کا تھوڑا سا تجزیہ جو ماہنامہ ''نقیب ختم نبوت'' ملتان میں ''چیدہ پچیدہ'' کے عنوان سے چھپتا رہا۔ اُن کی یاد کے طور پر یہاں نقل کیا جاتا ہے:

جانڈس: (جان ڈس۔ یرقان) جان کو ڈسنے والا مرض

Mangoes: (مَین گوز) آدمی جاتا ہے

مَیچور: جس میں مَے چوری کی سمجھ بوجھ ہو

وی سی آر: (ویری کلوز ریلیٹو) قریبی رشتہ دار

وی سی پی: (وائس چانسلر پریذنٹ) حاضر سروس چانسلر

اے آر ڈی: (اڑاند کا مخفف) اس کا مطلب ہے رکاوٹ

ایم ڈی اے: (مُردہ) یہاں کبھی مردہ خانہ تھا۔ اب ملتان ترقیاتی ادارہ ہے

ورڈ بینک: (لفظوں کا بینک) صرف لفظوں سے کام لینے والا

بی ڈی ایس:	بچے ڈاٹر سمیت
بی فارمیسی:	(بی فارمی سی) بیوی میری سی
چمبیلی:	(چم اور بیلی) گہرا دوست
فرانس:	فیر آئیں
Hell,o:	او جہنمی
Ugly:	(اگلی توں چگلی آئی) دونوں کا مطلب ہے بدصورت
کچہری:	(کچ ہری) وہاں کے لوگ فوراً پکڑ لیتے ہیں۔
ڈیوٹی:	(Due tea) میری چائے آپ کی طرف بنتی ہے
آئی ایم ایف:	(آئی ایم اِف) اگر میں ان کا ہوا تو قرض ملے گا، ورنہ نہیں
Participate:	پارٹی میں شرکت کر کے پیٹ بھریں
Submitted:	سب پر مٹی ڈالو

زندگی اور موت اللہ کے ہاتھ میں ہے لیکن لالہ ظفر کو شوگر نے بہت کمزور کر دیا تھا۔ کئی دفعہ ہسپتال میں داخل ہوئے، گھر میں علاج کراتے رہے۔ مگر اُن کی صحت کو دو چیزیں کھا گئیں۔ ایک سگریٹ، دوسری شوگر کہ اخیر عمر میں اُن کے لیے جناح ٹاؤن سے ملتان یونیورسٹی تک کا سفر بھی محال ہو گیا تھا۔ بینائی میں کمی آ گئی تھی۔

شاخوں پر پھول بھی ہوتے ہیں۔ اور کانٹے بھی۔ انسان خطا کار ہے۔ اس میں خوبیاں بھی ہیں اور کمزوریاں بھی۔ لالہ ظفر میں بے شک خوبیاں زیادہ تھی اور خامیاں کم۔ میں نے اپنے اس مختصر مضمون میں اُن کی متاعِ حسن کو اُجالنے کی کوشش کی ہے کہ:

نیک نامِ رفتگاں ضائع مکن
تا بماند نامِ نیکت پائیدار

دعا ہے، اللہ تعالیٰ اُن کی کوتاہیوں سے صرفِ نظر کرتے ہوئے اُن کے درجات بلند کرے، اُن کی مغفرت فرمائے اور اُن کی قبر کو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ بنائے کہ:

بسکہ ہے فرصتِ کردار، نفس یا دو نفس
عوضِ یک دو نفس قبر کی شب ہائے دراز

☆☆☆

● **تعلیمی دستور العمل** (School Manual)　　مؤلف: محمد اقبال اعوان

ضخامت: ۹۵ صفحات　قیمت: درج نہیں　ناشر: آل پاکستان پرائیویٹ سکولز مینجمنٹ ایسوسی ایشن تحصیل ٹیکسلا (راولپنڈی)

تعلیم و تعلم کے عمل میں نصاب (Syllabi) کی اہمیت وافادیت کسی اہل علم سے پوشیدہ نہیں، لیکن نصاب سے پہلے یہ طے کرنا ضروری ہوتا ہے کہ بحیثیت قوم ہماری تعلیم کے مقاصد (Objective) کیا ہوں گے؟ کیونکہ مقاصد کے تعین کے بغیر اگر کوئی قوم اپنا نصاب مرتب کرے گی تو وہ چند فارمولوں اور معلومات کے چند نکات پر مبنی ہوگا۔ اس سے ”قوم“ کا تشخص ابھر کر سامنے نہیں آئے گا۔ تعلیم کا سارا سفر بے سمت اور بے منزل ہوگا۔ اور یہ صورت حال ہوگی۔

منزل کا تعین ہے نہ رستے کی خبر ہے
کیا سوچ کے ہم لوگ سفر پر نکل آئے

ہر ادارہ، ہر تنظیم اور ہر تحریک کے لیے دستور، منشور اور طریقہ کار لازم و ملزوم سی چیز ہے۔ تاکہ اغراض و مقاصد کا حصول بہ آسانی ہو سکے۔ دیگر اداروں کی طرح تعلیمی اداروں کی کامیابی و کامرانی کا دارومدار اس کے نظم و نسق کی بہتری پر ہوتا ہے۔

مشعل سکولنگ سسٹم ٹیکسلا کے ایم ڈی محمد اقبال اعوان نے اسی ضرورت کو پیش نظر رکھتے ہوئے پرائیویٹ تعلیمی اداروں کو منظّم و مستحکم کرنے کے لیے ”تعلیمی دستور العمل“ مرتب کیا ہے۔ اُن کی اس کاوش سے سرکاری تعلیمی ادارے بھی مستفید ہو سکتے ہیں۔ (اگر سرکاری ”دانش ور“ مناسب سمجھیں تو) اس کتاب میں پرنسپل، وائس پرنسپل، اساتذہ اور کلرک کے فرائض، اختیارات اور ذمہ داریاں، والدین کی توجہ، سٹاف میٹنگ کے متعلقہ امور، امتحانی نظام، تدریس کے اصول، بچوں کی نفسیات، فرسٹ ایڈ، داخلہ سے متعلق مسائل، تعلیمی کیلنڈر، سکول ریکارڈ کی تکمیل، تدریسی نصاب کی منصوبہ بندی، مطالعاتی دورے، الوداعی تقریبات، سٹاف میٹنگ کے متعلقہ امور، سکول رجسٹریشن اور بورڈ سے الحاق جیسے مسائل کا بہترین حل پیش کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ فاضل مؤلف نے اپنے ادارے آل پاکستان پرائیویٹ سکول مینجمنٹ ایسوسی ایشن پاکستان کا تعارف بھی پیش کیا ہے۔ اس تعارفی تحریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ادارہ بہت منظّم اور انفرادیت کا حامل ہے۔

”تعلیمی دستور العمل“ کے منظر عام پر آنے کے بعد اب پرائیویٹ تعلیمی ادارے پہلے سے کہیں بہتر انداز میں تعلیمی معیار اور مثالی سکول بنا سکتے ہیں۔ حکومت کو چاہیے کہ اس کتاب کو چھاپ کر تعلیمی اداروں میں مفت تقسیم کی جائے تاکہ ان کی کارکردگی مؤثر ہو سکے۔ منظّم ادارے ہی منظّم لوگ پیدا کرتے ہیں۔ (تبصرہ: محمد الیاس میراں پوری)

ادارہ

اخبارالاحرار

چیچہ وطنی (۶ ردسمبر) متحدہ تحریکِ ختم نبوت رابطہ کمیٹی نے عالمی مجلس تحفظِ ختم نبوت تحصیل قائد آباد کے امیر قاری محمد اسماعیل آف گنجیال کے قتل کے سانحۂ کو کھلی دہشت گردی قرار دیتے ہوئے واقعہ کی شدید الفاظ میں مذمت کی ہے اور مطالبہ کیا ہے کہ ملزمان کو بلا تاخیر گرفتار کیا جائے اور سازش کے اصل محرکات کو بے نقاب کیا جائے۔ مجلس احرارِ اسلام پاکستان کے مرکزی امیر سید عطاء المہیمن بخاری، پاکستان شریعت کونسل کے سیکرٹری جنرل مولانا زاہد الراشدی، انٹرنیشنل ختمِ نبوت موومنٹ پاکستان کے امیر مولانا محمد الیاس چنیوٹی، متحدہ تحریکِ ختم نبوت رابطہ کمیٹی کے کنونیر عبداللطیف خالد چیمہ اور دیگر رہنماؤں نے الزام عائد کیا ہے کہ قادیانی قتل و غارت گری اور دھشت گردی کے ذریعے ملک میں بدامنی پیدا کر رہے ہیں جو موجودہ حکومت کی بدترین قادیانیت نوازی کا مظہر ہے، مجلس احرارِ اسلام پاکستان کے مرکزی رہنما سید محمد کفیل بخاری، میاں محمد اویس، قاری محمد یوسف احرار اور مولانا محمد مغیرہ نے ایک مشترکہ بیان میں مُبلغ ختم نبوت قاری محمد اسماعیل کی شھادت کے واقعہ میں ملوث ملزمان اور ان کے پُشت پناہوں کے خلاف کارروائی کا فوری مطالبہ کیا ہے اور کہا ہے کہ ملک میں بڑھتی ہوئی قادیانی دہشت گردی کا سدباب نہ کیا گیا تو اس سے ہولناک کشیدگی جنم لے گی۔

☆☆☆

دیپالپور (۸ ردسمبر) مجلس احرارِ اسلام پاکستان کے سیکرٹری جنرل عبداللطیف خالد چیمہ نے کہا کہ بھٹو مرحوم کی سیاسی کمائی کھانے والے مسئلہ ختم نبوت کے حوالے سے بھٹو کے خیالات اور پارلیمنٹ کے ذریعے تاریخی فیصلے سے انحراف بلکہ غداری کے مرتکب ہورہے ہیں منکرینِ ختم نبوت اور قادیانیوں کے بارے میں نرم گوشہ رکھنے والے سیاستدان ملکی سلامتی کو داؤ پر لگا رہے ہیں کیونکہ قادیانی امریکہ اور اسرائیل کی آشرباد سے صیہونی تسلط کے لیے کام کررہے ہیں وہ مسجد سراجیہ افضل کالونی دیپالپور میں ''تحفظِ ختم نبوت'' کے سلسلہ میں منعقدہ اجتماع سے خطاب کررہے تھے اجتماع میں مولانا سید محمد انور شاہ بخاری کی زیرِ صدارت اور سید محمد اطہر شاہ بخاری کی زیرِ نگرانی منعقد ہوا جبکہ پیرِ طریقت حضرت مولانا عبدالقادر (بہاولنگر) نے خصوصی شرکت کی، عالمی مجلس تحفظِ ختم نبوت کے مرکزی مبلغ مولانا عبدالحکیم نعمانی اور دیگر مقررین نے بھی خطاب کیا عبداللطیف خالد چیمہ نے کہا کہ عقیدۂ ختم نبوت اسلام اور مسلمانوں کی شہ رگ ہے یہی عقیدہ امت میں اتفاق واتحاد کی ضمانت فراہم کرتا ہے جبکہ بعض سیاستدان اپنے اقتدار کے زعم میں قادیانیوں کے بارے میں ۱۹۷۴ء کی آئینی قرار دادِ اقلیت اور ۱۹۸۴ء کے امتناعِ قادیانیت ایکٹ کو ختم یا غیر مؤثر کرانے کے لیے خطرناک سازشیں کررہے ہیں سازشوں کے تانے بانے ایوانِ صدر اور گورنر ہاؤس پنجاب سے ملتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ بھٹو مرحوم نے کہا تھا کہ ''قادیانی پاکستان میں وہی حیثیت حاصل کرنا چاہتے ہیں

جو امریکہ میں یہودیوں کو حاصل ہے'' آج کی پیپلز پارٹی اور سیاستدانوں کو قادیانیت کی پشت پناہی سے کھل کر برأت کا اعلان کرنا چاہیے عوام حکمرانوں اور سیاستدانوں کی طرف سے عقیدۂ ختمِ نبوت سے غداری کو کسی صورت برداشت نہیں کریں تمام محبّ وطن قوتوں کا فرض ہے کہ وہ بڑھتی ہوئی قادیانی ریشہ دوانیوں کے خلاف اپنا کردار ادا کریں۔

☆☆☆

چیچہ وطنی (۹؍دسمبر) متحدہ تحریک ختم نبوت رابطہ کمیٹی کے کنوینز اور مجلس احرار اسلام پاکستان کے مرکزی سیکرٹری جنرل عبداللطیف خالد چیمہ نے مرکزی مسجد عثمانیہ ہاؤسنگ سکیم چیچہ وطنی میں نمازِ عیدالاضحیٰ کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا ہے کہ فلسفۂ قربانی یہ ہے کہ ہم اپنی قیمتی ترین متاع بھی اللہ کے راستے میں قربان کرنے والے بن جائیں اور قرآن وسنت کی تعلیماتِ حق کو اپنا کر اسلام کی بالادستی کی جدوجہد کو اپنا شعار بنالیں۔ انھوں نے کہا کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ حجۃ الوداع دراصل انسانی حقوق کا بہترین چارٹر ہے جس پر عمل کر کے ہی دنیا میں امن قائم ہوسکتا ہے۔ انھوں نے کہا کہ دین و وطن ہم سے مال و جان کی قربانی کے متقاضی ہیں۔ انھوں نے کہا کہ وطن عزیز بین الاقوامی سازشوں کے بھنور میں پھنسا ہوا ہے جبکہ موجودہ حکمران قومی غیرت کے منافی فیصلے کر رہے ہیں اور اپنے پیشرو پرویز مشرف کے فیصلوں کی توثیق کر کے ملکی سلامتی کو خطرے میں ڈال رہے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ نائن الیون کے بعد ''سب سے پہلے پاکستان'' کا نعرہ لگانے والے پرویز مشرف اور اس کے حاشیہ بردار ملکی وقار کا سودا کر چکے تھے اور ان کا احتساب کا نعرہ لگانے والوں نے زبانوں کو تالے لگا لیے ہیں۔ عبداللطیف خالد چیمہ نے کہا کہ اسلام آباد میں بیٹھ کر بعض مقتدر شخصیات تحفظ ختم نبوت کے بارے میں آئینی فیصلوں کو سبوتاژ کرانے کی سازشیں کر رہے ہیں لیکن قوم قادیانیوں کے حوالے سے کیے گئے دستوری فیصلوں کی واپسی ہرگز قبول نہیں کرے گی۔ انھوں نے کہا کہ پرویز مشرف لندن میں سکہ بند قادیانی بریگیڈیئر (ر) نیاز کے ہاں قیام پذیر ہیں۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ پرویز مشرف کی پالیسیوں میں کتنا قادیانی عمل دخل تھا۔

ملتان میں یوم سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ (رپورٹ: سید عطاء المحسن بخاری)

ملتان (۱۹؍دسمبر ۲۰۰۸ء) تحریک طلباء اسلام ملتان کے زیر اہتمام خلیفۂ راشد سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے یوم شہادت کے حوالے سے مرکزی دفتر دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان میں (۱۸؍ذی الحجہ ۱۴۲۹ھ) بعد نماز مغرب ایک سیمینار بعنوان ''شہادت سیدنا عثمانؓ حقائق و واقعات'' منعقد ہوا۔ سیمینار کی کارروائی کا آغاز مولوی محمد سلیمان کی تلاوت سے ہوا۔ جناب فرحان الحق حقانی نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شان میں منقبت پیش کی۔ تحریک طلباء اسلام ملتان کے مرکزی رہنما سید عطاء المنان بخاری نے خلیفۂ سوم کے سیرت و کردار اور ان کی مظلومانہ شہادت کے حقائق سے حاضرین کو آگاہ کیا، انھوں نے کہا کہ سیدنا عثمانؓ وہ عظیم المرتبت صحابی ہیں جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دوہری نسبت حاصل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دو صاحبزادیوں کو یکے بعد دیگرے حضرت عثمان کے عقد میں دیا، اسی وجہ سے

انہیں ''ذوالنورین'' کہا جاتا ہے۔ بدر کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمانؓ کو سیدہ رقیہؓ کی خدمت کے لیے گھر رہنے کو کہا (جو کہ بیمار تھیں) اور حق الخدمت میں یہ بشارت سنائی گئی کہ ان کو شرکاء بدر کے برابر ثواب دیا جائے گا۔ انھوں نے کہا کہ سیدنا عثمان کی شہادت تاریخ اسلام کی مظلومانہ شہادت ہے۔ یہود مدینہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں جو سازشیں کی تھیں سیدنا عثمانؓ کے دور میں انہیں عملی جامہ پہنایا اور خیبر کی شکست کا بدلہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی ظلم وستم سے بھری شہادت کی صورت میں لیا۔ انھوں نے کہا کہ یہود خیبر کی شکست کو تا قیام قیامت نہیں بھولیں گے۔ آخر میں انھوں نے تمام شرکاء کا شکریہ ادا کیا اور سیمینار انہی کی دعا پر اختتام پذیر ہوا۔ سیمینار سے محمد اسماعیل بھٹی، محمد مغیرہ نے بھی خطاب کیا۔

بجلی اور گیس کی قیمتوں میں اضافہ ظلم ہے۔ (سید محمد کفیل بخاری)

ملتان (پ ر) مجلس احرار اسلام ملتان کے امیر صوفی نذیر احمد، ناظم محمد ثقلین، نیاز احمد، عزیز الرحمٰن، سید محمد کفیل بخاری اور شیخ حسین اختر لدھیانوی نے مشترکہ بیان میں روز بروز بڑھتی ہوئی مہنگائی پر گہری تشویش کا اظہار کیا ہے۔ آئل اینڈ گیس ریگولیٹری اتھارٹی (اوگرا) نے یکم جنوری ۲۰۰۹ء سے قدرتی گیس کے موجودہ نرخوں میں اضافے کی منظوری دے دی ہے۔ جبکہ عالمی منڈی میں خام تیل کی قیمت کم ہو رہی ہے۔ مختلف شعبہ ہائے زندگی میں تعلق رکھنے والے افراد نے اضافے کے فیصلے کو غریب دشمنی سے تعبیر کیا ہے۔ پیپلز پارٹی کی منتخب جمہوری حکومت نے بھی عوام کو کوئی ریلیف دینے کی بجائے مہنگائی کے ہولناک بم کا دھماکہ کر دیا ہے۔ مہنگائی پہلے سے آسمان سے باتیں کر رہی ہے۔ پٹرول، بجلی کی قیمتوں میں آئے روز اضافہ سے غربت زدہ عوام فاقے اور خودکشیاں خودسوزیاں کر رہے ہیں۔ ان پر گیس کی قیمتوں میں اضافہ ستم بالائے ستم کی حیثیت رکھتا ہے۔

تحفظ ختم نبوت تمام مسلمانوں کا فریضہ ہے۔ (سید محمد کفیل بخاری)

لاہور (۲۱ر دسمبر) مجلس احرار اسلام کے ڈپٹی سیکرٹری جنرل سید محمد کفیل بخاری نے کہا ہے کہ عقیدۂ ختم نبوت کا تحفظ تمام مسلمانوں کا فریضہ ہے۔ ہم سب کو مل کر اس تحریک کو زندہ رکھنا ہے۔ وہ ۲۱ر دسمبر کو علماء اکیڈمی منصورہ میں ختم نبوت کورس کے اختتام پر منعقدہ تقریب سے خطاب کر رہے تھے۔ اس تقریب سے جماعت کے رہنماؤں حافظ محمد ادریس، ڈاکٹر فرید احمد پراچہ، جمعیت اتحاد العلماء کے صدر مولانا عبدالمالک، انٹرنیشنل ختم نبوت موومنٹ کے صدر مولانا محمد الیاس چنیوٹی، جمعیت علماء اسلام کے رہنما مولانا عبدالرؤف فاروقی، ممتاز دانشور محمد متین خالد اور دیگر حضرات نے خطاب کیا۔ مقررین نے کہا کہ قادیانی، اسلام اور وطن کے خلاف خطرناک سازشوں میں مصروف ہیں۔ قادیانی بیک وقت امریکہ، برطانیہ، اسرائیل اور بھارت کے ایجنٹ ہیں۔ وہ استعماری ایجنڈے کی تکمیل کے لیے کام کر رہے ہیں۔ حکمران خبردار رہیں اور قادیانیوں سے متعلق آئینی دفعات کا نہ صرف تحفظ کریں بلکہ ان کے نفاذ کو یقینی بنائیں۔ مقررین نے علماء اکیڈمی کے ذمہ داران خصوصاً ڈاکٹر فرید احمد پراچہ صاحب کو ختم نبوت کورس منعقد کرنے پر خراجِ تحسین پیش کیا اور کامیابی پر مبارک باد دی۔

ادارہ

مسافرانِ آخرت

- اہلیہ مرحومہ، علامہ خالد محمود مدظلہ: ممتاز عالم دین اور محقق علامہ ڈاکٹر خالد محمود مدظلہ کی اہلیہ گزشتہ ماہ مانچسٹر میں انتقال کر گئیں۔
- حضرت مولانا ابوظفر رحمہ اللہ: حافظ محمد اکرم احرار کے استادِ گرامی۔ انتقال: ۹ر دسمبر ۲۰۰۸ء میراں پور (میلسی) قائد احرار حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری، سید محمد کفیل بخاری اور عبداللطیف خالد چیمہ نے تعزیت کا اظہار کیا ہے۔
- حاجی محمد سلیم اللہ چوہان مرحوم: مجلس احرار اسلام بستی مولویان ضلع رحیم یار خان کے سابق ناظم، حافظ محمد اسماعیل چوہان کے چچازاد اور مولانا فقیر اللہ رحمانی کے رضاعی بھائی۔ انتقال: ۱۷ر دسمبر ۲۰۰۸ء۔ مجلس احرار اسلام بستی مولویان کے رہنما حافظ عبدالرحیم نیاز، جام محمد یعقوب چوہان، مولوی علی محمد چوہان، مولانا بلال احمد چوہان اور صوفی محمد اسحاق چوہان نے تعزیت کا اظہار کیا ہے۔
- لالہ ظفر مرحوم: بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان کے سابق ڈپٹی رجسٹرار اور ہمارے کرم فرما۔ انتقال: ۴ر دسمبر ۲۰۰۸ء
- شیخ محمد اسلم مرحوم: قیامِ پاکستان سے قبل مفکرِ احرار چودھری افضل رحمۃ اللہ علیہ کی یاد میں جاری کیے گئے ہفت روزہ ”افضل“ سہارن پور کے مدیر شیخ محمد صادق رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے فرزند۔ انتقال: ۲ر دسمبر ۲۰۰۸ء چیچہ وطنی۔ مرحوم چیچہ وطنی پریس کلب کے سرپرست اور بزرگ صحافی تھے۔ مجلس احرار اسلام اور تحریک تحفظ ختم نبوت کے کام کے ساتھ خصوصی دلچسپی اور فرزندانِ حضرت امیر شریعت کے ساتھ بے پناہ محبت رکھتے تھے اور عبداللطیف خالد چیمہ اور ان کے کام کی ہمیشہ سرپرستی فرماتے رہے۔
- ملتان میں ہمارے بہت ہی عزیز دوست، مدرسہ معمورہ ملتان اور مدرسہ ختم نبوت چناب نگر کے سابق مدرس درجہ حفظ قرآن حافظ محمد سعید کے چھوٹے بھائی محمد عباس، اُن کی اہلیہ، پانچ بیٹیاں اور ایک بیٹا ۶ر دسمبر ۲۰۰۸ء کی رات اپنے کمرے میں آگ لگنے سے شہید ہو گئے۔ اس سانحہ میں کنبہ کے آٹھ افراد کی شہادت سے پورا خاندان شدید صدمہ سے دوچار ہے۔ حق تعالیٰ سب کی مغفرت اور پسماندگان کو صبر جمیل عطاء فرمائے۔
- چیچہ وطنی میں مرزا محمد صادق بیگ کے فرزند اور ہمارے محترم اکرام الحق سرشار کے داماد مرزا محمد واجد بیگ مرحوم، انتقال: ۱۱ر دسمبر ۲۰۰۸ء
- چیچہ وطنی میں ہمارے ساتھی غلام رسول (چک نمبر ۴۳۔۲۔ایل) کار ڈرائیور، انتقال: ۲۹ر دسمبر ۲۰۰۸ء
- شیخ ظفر علی لدھیانوی مرحوم گھڑی ساز (اندرون حرم گیٹ ملتان) کے بھائی آغا محمود علی ایڈووکیٹ (ملتان) کی اہلیہ مرحومہ انتقال: ۲۷ر نومبر ۲۰۰۸ء بروز جمعرات
- مدرسہ معمورہ ملتان کے مدرس مولانا فیصل متین سرگانہ کے عزیز بلال احمد سرگانہ مرحوم
- عبدالمجید جوئیہ کی اہلیہ مرحومہ (شہلی غربی، حاصل پور) انتقال: ۲۲ر دسمبر ۲۰۰۸ء
- حافظ محمد انور (شہلی غربی) کے بھانجے عبدالرؤف مرحوم ● جام احمد علی احرار مرحوم (ماہڑہ، مظفر گڑھ)
- مولانا احمد علی مرحوم: ماہڑہ ضلع مظفر گڑھ کے قدیم احرار کارکن تھے۔ انتقال: ۱۷ر دسمبر ۲۰۰۸ء
- حافظ محمد ادریس اور حافظ محمد علی صاحب (چنیوٹ) کے والد حاجی محمد صدیق مرحوم
- اہلیہ مرحومہ، حافظ محمد علی (چنیوٹ) نہایت صالحہ خاتون تھیں اور بچوں کو قرآن کریم پڑھاتی تھیں۔ انتقال: ۱۷ر نومبر ۲۰۰۸ء

قارئین سے درخواست ہے کہ تمام مرحومین کے لیے ایصالِ ثواب اور دعاء مغفرت کا اہتمام فرمائیں۔ حق تعالیٰ سب کی مغفرت اور پسماندگان کو صبرِ جمیل عطاء فرمائے۔ (آمین)

کھانسی، نزلہ، زکام
کسی موسم یا کسی وقت کے پابند نہیں

ہمدرد کی مجرّب دوائیں ان کا علاج بھی ہیں اور ان سے محفوظ رہنے کی مؤثر تدبیر بھی

سُعالین

مُفید جڑی بوٹیوں سے تیار کردہ سُعالین، گلے کی خراش اور کھانسی کا آسان اور مؤثر علاج۔ آپ گھر میں ہوں یا گھر سے باہر، سرد و خشک موسم یا گرد و غُبار کے سبب گلے میں خراش محسوس ہو تو فوراً سُعالین لیجیے۔ سُعالین کا باقاعدہ استعمال گلے کی خراش اور کھانسی سے محفوظ رکھتا ہے۔

جوشینا

تیار جوشاندہ

نزلہ، زکام، فلو اور اُن کی وجہ سے ہونے والے بخار کا آزمودہ علاج۔
جوشینا کا روزانہ استعمال موسم کی تبدیلی اور فضائی آلودگی کے مُضر اثرات بھی دُور کرتا ہے۔
جوشینا بند ناک کو فوراً کھول دیتی ہے۔

لعوق سپستاں

نزلے زکام میں سینے پر بلغم جم جانے سے شدید کھانسی کی تکلیف طبیعت نڈھال کر دیتی ہے۔
اس صورت میں صدیوں سے آزمودہ ہمدرد کا لعوق سپستاں، خشک بلغم کے اخراج اور شدید کھانسی سے نجات کا مؤثر ذریعہ ہے۔
ہر موسم میں، ہر عمر کے لیے

صُدوری

مؤثر جڑی بوٹیوں سے تیار کردہ خوش ذائقہ شربت۔ خشک اور بلغمی کھانسی کا بہترین علاج۔ صدوری سانس کی نالیوں سے بلغم خارج کر کے سینے کی جکڑن سے نجات دلاتی ہے اور پھیپھڑوں کی کارکردگی کو بہتر بناتی ہے۔ بچوں، بڑوں سب کے لیے یکساں مُفید۔
شوگر فری صُدوری بھی دستیاب ہے۔

سُعالین، جوشینا، لعوق سپستاں، صُدوری ۔ ہر گھر کے لیے بے حد ضروری

ہمدرد

مدینۃ الحکمۃ تعلیم، سائنس اور ثقافت کا عالمی منصوبہ۔
آپ ہمدرد دوست ہیں۔ اعتماد کے ساتھ مصنوعات ہمدرد خریدتے ہیں۔ جائز منافع بین الاقوامی شہر علم و حکمت کی تعمیر میں لگ رہا ہے۔ اس کی تعمیر میں آپ بھی شریک ہیں۔

ہمدرد کے متعلق مزید معلومات کے لیے ویب سائٹ ملاحظہ کیجیے:
www.hamdard.com.pk

تمام مسلمانوں کو اسلامی سالِ نو 1430ھ مبارک

35 پینتیسویں سالانہ

مجلسِ ذکرِ حسین رضی اللہ عنہ

دارِ بنی ھاشم مہربان کالونی مُلتان
10 محرم 1430ھ 11 بجے دن تا نمازِ عصر

بانی
ابن امیرِ شریعت سیّد عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ

بیاد
سبطِ رسول، پورِ بتول، مظلومِ کربلا
قتیل سازش ابن سبا
سیدنا حسین ابن علی سلام اللہ و رضوانہٗ علیہم

بارگاہِ حسینی میں
ہدیہ عقیدت و محبت
تاریخ و سیرت
کی روشنی میں
تذکار و افکارِ حسین رضی اللہ عنہ
اور حقیقت حادثہ کربلا
بیان کریں گے

خصوصی خطاب
ابن امیر شریعت
حضرت پیر جی
آلِ نبی اولادِ علی
سیّد عطاء المہیمن بخاری مدظلہ
امیر مجلس احرار اسلام پاکستان

منظوم خراجِ عقیدت • حافظ محمد اکرم احرار • شیخ حسین اختر لدھیانوی

شعبہ نشر و اشاعت
تحریکِ تحفظِ ختمِ نبوۃ شعبہ تبلیغ مجلسِ احرارِ اسلام پاکستان

Designed by
0300-7345096